معارفِ سرائیکی

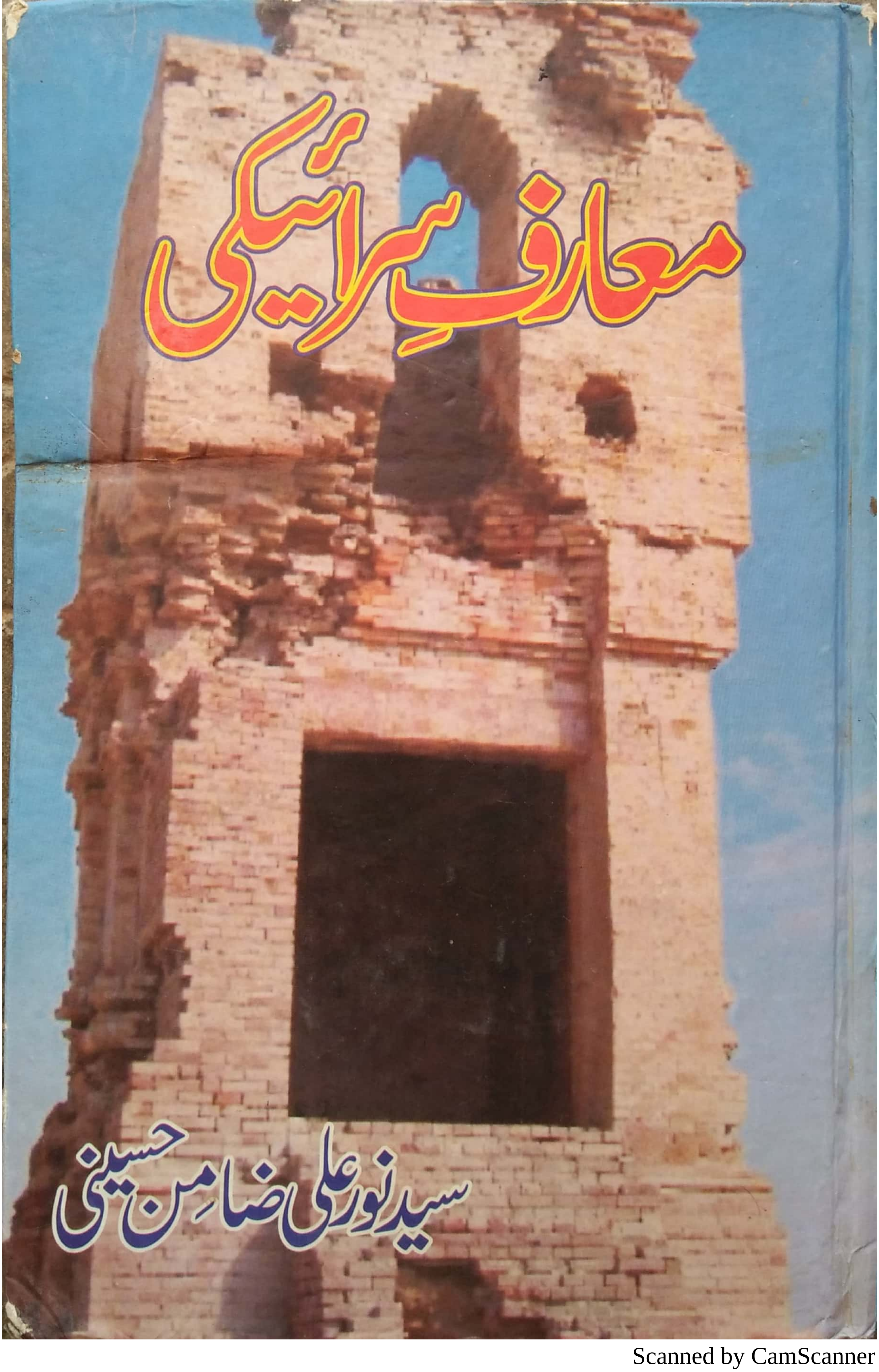

سید نورعلی ضامن حسینی

Scanned by CamScanner

معارف سرائیکی

(سرائیکی زبان، وطن اور تمدّن کا تذکرہ)

سیّد نور علی ضامن حُسینی

سرائیکی ادبی بورڈ (رجسٹرڈ) ملتان

2009ء

Scanned by CamScanner

سلسلہ مطبوعات نمبر 82

ضابطے

ناں کتاب	:	معارف سرائیکی
لکھاری		سیّد نورعلی ضامن حسینی
پہلا چھاپہ	:	1972ء
ڈوجھا چھاپہ	:	2009ء
چھپیندڑ		سرائیکی ادبی بورڈ (رجسٹرڈ) ملتان
چھاپہ خانہ	:	جھوک پرنٹرز، ملتان
مُل	:	-/300 روپے

اے کتاب محکمہ اطلاعات و ثقافت و امور نوجوانان
حکومت پنجاب دے مالی تعاون نال چھاپی ڳئی

Scanned by CamScanner

سید نور علی ضامن حسینی

کے

نواسہ گان

سید محمد علی نقی حسینی

سید ظہور علی حسینی

سید اسد رضا حسینی

سید حسن رضا حسینی

کے نام

جنہوں نے اشاعت کے لئے

اس کتاب کی کاپیاں

عنایت فرمائیں

Scanned by CamScanner

مصنف کے کوائف

نام	......	نور علی
ولدیت	......	سیّد غلام مہدی شاہ
دادا	......	سیّد غلام مصطفیٰ شاہ
تاریخ پیدائش	......	23/اکتوبر 1906ء (احمد پور شرقیہ)
تعلیم	......	میٹرک (صادق ڈین ہائی سکول بہاولپور)
		ایف۔اے (ایس۔ای کالج بہاولپور)
		(اسلامیہ کالج لاہور)
		انجینئرنگ (شیفیلڈ یونیورسٹی برطانیہ)
ملازمت	......	محکمہ آبپاشی۔ستلج ویلی پراجیکٹ
		ایس ڈی او۔1933ء
		ڈپٹی چیف انجینئر بہاولپور 1954ء
		ڈپٹی چیف انجینئر کوئٹہ قلات ریجن 1955ء
		ایڈیشنل چیف انجینئر مغربی پاکستان 1958ء
ریٹائرمنٹ	......	اکتوبر 1966ء
وفات	......	27/دسمبر 1976ء

Scanned by CamScanner

فہرست

پہلا صفحہ .... ڈاکٹر طاہر تونسوی 9
پیش لفظ .... سید نور علی ضامن حسینی 13
باب اوّل .... وجہ تسمیہ، حدود و رواج (فصل 1 تا 4) 17
باب دوم .... جغرافیائی اور تاریخی ثبوت (فصل 5 تا 8) 23
باب سوم .... روحانی تسلسل کا ثبوت (فصل 9 تا 14) 35
باب چہارم .... روحانی اقدار کا تذکرہ (فصل 15 تا 21) 43
باب پنجم .... سومیری قوم کا وادیٔ سندھ سے ہجرت کا ثبوت (فصل 22 تا 31) 57
باب ششم .... سرائیکی وطن میں سکندر اعظم یونانی کی آمد اور واپسی (فصل 32 تا 43) 91
باب ہفتم .... کشف الاسرار وادیٔ سندھ: سکندر اعظم کا دور (فصل 44 تا 57) 153
حرفِ آخر 221

Scanned by CamScanner

سنگلی جنہاں دی ڈاڈی سوڈھی جنہاں دی ماء
ملّھی جنْے پنج پُتر ڈاہر، بُھٹّہ، لنگاہ، ناہچ تے شجرا

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

پہلا صفحہ

سرائیکی ادبی بورڈ نے تحقیقی اور تنقیدی کتابیں شائع کر کے یقینی طور پر ایک گرانقدر خدمت سرانجام دی ہے اور سرائیکی زبان و ادب کے بارے میں اس کا شائع شدہ سرمایہ معیار اور مقدار دونوں حوالوں سے خاصا وقیع ہے اور اس تناظر میں ایم۔اے، ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کی سطح پر کام کرنے والوں کے لئے ایک نعمت سے کم نہیں۔ اگرچہ اس کے مالی وسائل محدود ہیں اور کتابوں کے خریدار کم ہیں پھر بھی سرائیکی سے محبت کی بنا پر اس کا اشاعتی پروگرام جاری و ساری ہے اور انشاء اللہ یہ سلسلہ مستقبل میں بھی اپنا رنگ دکھاتا رہے گا۔ اس پس منظر میں دیکھیں تو اب تک سرائیکی ادبی بورڈ کی 81 کتب منظرِ عام پر آ چکی ہیں اور سیّد نور علی ضامن حسینی کی کتاب ''معارفِ سرائیکی'' اس کی 82ویں پیش کش ہے جو یقینی طور پر سرائیکی زبان کی تاریخ، اس کے جغرافیے اور اس کی قدامت کے بارے میں ایک دستاویز ہے جس میں سرائیکی زبان، وطن اور تمدن کا تذکرہ متعلقہ حوالہ جات سے کیا گیا ہے۔ یہ کتاب طویل عرصے سے ناپید تھی اور لسانیات کے موضوع پر کام کرنے والوں اور سرائیکی زبان سے دلچسپی رکھنے والوں کا اصرار تھا کہ اس کی اشاعت دوبارہ کی جائے تا کہ اہلِ علم اور محققین اس

Scanned by CamScanner

سے خاطر خواہ استفادہ کر سکیں۔

کتاب کا سرسری مطالعہ کریں تو ''معارفِ سرائیکی'' میں سیّد نور علی ضامن حسینی نے اپنے پیش لفظ میں سرائیکی کی قدیم تاریخ بیان کرتے ہوئے اسے وادیٔ سندھ کی اولین زبان قرار دیا ہے اور تحقیقی شواہد سے اس کے خطے کی وضاحت بھی کر دی ہے اور سرائیکی کو اُردو کا ماخذ قرار دیا ہے۔ کتاب کی فہرست سے اس کے مشمولات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سیّد ضامن حسینی نے سرائیکی زبان کے ماخذ کو دریاؤں اور دریائی راستوں کی جغرافیائی حد بندیوں سے تلاش کیا ہے۔ اُن کا نظریہ بالکل نیا اور انوکھا ہے جسے کتاب کے مندرجات سے دیکھا جا سکتا ہے۔

اس کے ساتوں ابواب میں اس کے وطن، لسانی جغرافیے اور لسانی تاریخ پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور حرفِ آخر میں یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ سرائیکی دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے اور اس کے ڈانڈے سنسکرت سے بھی پہلے کی بولی جانے والی زبان سے ملتے ہیں۔

معارفِ سرائیکی کا اس پس منظر میں ابھی تک مطالعہ نہیں کیا گیا۔ سرائیکی ادبی بورڈ نے اس کتاب کو شائع کر کے جہاں سرائیکی زبان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ایک مفید کارنامہ سرانجام دیا ہے وہاں سرائیکی کی قدامت کے بارے میں بھی ایک نئی بحث کو منظرِ عام پر لانے کا فریضہ سرانجام دیا ہے اور ایک نایاب مگر اہم کتاب کو دستِ بُردِ زمانہ سے بچایا ہے۔ اس کی از سرِ نو اشاعت کا سہرا پروفیسر شوکت مغل صدر سرائیکی ادبی بورڈ کے سر ہے کہ ان کے

Scanned by CamScanner

بار بار اصرار اور کاوش و کوشش سے سرائیکی ادبی بورڈ کی مجلسِ عاملہ نے اس کی اشاعت کی منظوری دی ہے۔ سرائیکی ادبی بورڈ جناب ابن الامام شفقتؔ کا خاص طور پر شکر گزار ہے جنہوں نے اپنے خاندان کے عالم بے بدل کی کتاب کی کاپیاں اشاعت کے لئے مرحمت فرمائیں۔ جس کے بعد یہ کتاب وسیب کے دانشوران، علماء، محققین اور سکالرز کے ہاتھوں تک پہنچی۔

مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب سرائیکی زبان و ادب خاص طور پر لسانیات پر کام کرنے والوں کے لئے ایک تحفہ ثابت ہوگی کہ اب اس کا حصول آسان ہوگیا ہے۔ مگر شرط وہی ہے کہ اسے خرید کر پڑھا جائے اور اسے سرائیکی لسانیات کی ترویج کا ذریعہ بنایا جائے۔

طاہر تونسوی

سیکرٹری جنرل (اعزازی)

سرائیکی ادبی بورڈ

ملتان

العائشہ۔ 13 - غالب سٹریٹ نمبر 30

زکریا ٹاؤن، ملتان

فون: 061-6512275

موبائل: 0333-7622690

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

پیش لفظ

سچ تو یہ ہے کہ ملتان اور اوچ کے قدیم مدنی مراکز کے باشندوں کی زبان جو سرائیکی کے نام سے اب مشہور ہے، دراصل معروف زمانہ "وادیٔ سندھ کی تہذیب" کے باشندوں کی زبان تھی یہی قرآن کے بیان کردہ "اصحاب الرس" کی زبان تھی یہی تورات کے صحیفۂ استر کے بتلاتے ہوئے "شہ آنا سورس" کی رعایا کی زبان تھی یہی سنسکرت پتنجلی کی بتائی ہوئی ابھی رس قوم کی زبان رہی مہا بھارت نے جس قوم کو "سندھو سوویراس" کہا یہی اس کی زبان تھی، ان کی نسبت سے "سووے راکی" کہلائی اور اب امتدادِ زمانہ سے بگڑ کر سرائیکی رہ گئی۔ یہی چچ نامہ کے بیان کردہ رائے ساہیرس کی پوری سلطنت کی از کشمیر تا مکران زبان تھی، جب محمد بن قاسم عربی سیوستان میں داخل ہوا۔ آج بھی مغربی پاکستان کی اکثریت کی یہی زبان ہے۔ یہ بلھے شاہؒ کے قصور، مادھو لال حسینؒ کے لاہور، پیر مہر علی شاہؒ کے گولڑہ سے شروع ہو کر کوہ سلیمان کے اندر تک درۂ بولان کے ڈھاڈر سے کوہ کیرتھر کے آر پار لاس، بیلہ

Scanned by CamScanner

میں وادئ جب کی تحصیل دریجی تک بولی جاتی ہے۔ اس زبان کو پنجابی کا نام دینا حقیقت سے اغماض برتنا ہے۔ سرائیکی اور پنجابی میں وہی فرق ہے جو انگریزی زبان اور امریکی زبان میں ہے۔ اصل زبان انگریزی ہے۔ امریکی زبان انگریزی زبان کا امریکی لہجہ ہے جسمیں حلق کے اوپر کے حصے کا ناک کے قریب استعمال زیادہ ہوتا ہے۔

پنجابی بھی دراصل سرائیکی زبان کا ہمالیائی لہجہ ہے، جس کی انگریزی، امریکی ادائیگی سے مشابہت نمایاں ہے، اردو کے "کس کو" سرائیکی بولنے والے "کینکوں" کہکر ادا کرے گا۔ پنجابی اس کو "کنّوں" کہکر ادا کرے گا۔ یہی حالت علی الترتیب "مجھکو" "میکوں" اور "میتوں" کی ہے۔ آج بھی (۳ جون) ریڈیو پاکستان سے جالندھری پنجابی اناؤنسر کہہ رہا تھا۔ "قرضہ دین تے رضامند ہو گئے نیں۔ جسکو سرائیکی بولنے والا "قرضہ ڈیون تے رضامند تھی گئے ہِن" اور اردو بولنے والا "قرضہ دینے پر رضامند ہو گئے ہیں۔" کہتا۔ ملاحظہ ہو کہ اردو سرائیکی لغت اور لہجہ سے قریب تر ہے اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ پنجابی اردو کی بنیاد ہے۔ دراصل سرائیکی اردو کا ماخذ ہے، سرائیکی کے حروفِ تہجی، پنجابی کے حروفِ تہجی سے زیادہ ہیں۔ بعض حروف تہجی کی تو ہمالیائی پنجابی جس کو جالندھری لہجہ کہہ لیجیے کبھی ادا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ حروف حلق کے نچلے اور پچھلے حصہ سے ہی ادا ہو سکتے ہیں۔ جبکہ جالندھری لہجہ کی ادائیگی حلق کے اوپر کے حصہ سے ناک کے قریب تر ہوتی ہے۔ اور اس لئے ان کو ادا نہیں کر سکتی۔

تاریخ "حدود العالم من المشرق الی المغرب" (۳۷۲ ہجری) کے مطابق ملتان سے لاہور تک کا علاقہ ہمیشہ ملتان کے زیر نگیں رہا۔ جالندھر کے لب و لہجہ کی آمد قصور

اور لاہور کے غرب کی طرف پہلے جاٹ سکھوں کی حکومت کے ساتھ اور پھر چج، رچنا اور باری دوآب کی نہروں کا نظام آبپاشی قائم ہونے کے بعد آبادکاروں کے ساتھ ہوئی۔ سوال ہوگا کہ سرائیکی الفاظ ہمالیہ کے دامن میں کیسے پہنچے۔ جبکہ صدیوں پہلے سرائیکی بولنے والے علاقوں میں دریائے سندھ کے ردّ و بدل سے خشک سالی کا دور ہوا تو کاشتکار آبادی جو جاٹ کہلاتی تھی اور شہری آبادی جو اروڑہ کہلائی۔ ہریانہ اور میوات میں جمنا پار تک اور کوہ ہمالیہ کے دامن میں جالندھر کی طرف نقل مکانی کر کے پانی اور زمین کی تلاش میں پہنچی اور اپنے ساتھ اپنی زبان تو لے گئی مگر ہمالیائی لہجہ کو اپنانا پڑا جس طرح انگریز نسل امریکیوں کو امریکنوں کے لہجہ سے گریز مشکل ہوگیا۔ آب و ہوا بھی لہجے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ریڈیو پاکستان لاہور کے "نظام دین" اور "چودھری صاحب" کا سرائیکی کا جالندھری لہجہ ہمالیائی دامنِ کوہ کی کثرتِ باراں اور مرطوب آب و ہوا کا آئینہ دار ہے۔ ریڈیو پاکستان ملتان کے جمہور اور "ملک صاحب" کا سرائیکی کا پُرسکون اور شیریں لب و لہجہ ملتان اور اوچ کے قدیم مدنی مراکز کی معتدل اور قلیل باراں آب و ہوا کی عکاسی کرتا ہے۔ جبکہ ریڈیو پاکستان حیدرآباد کے جمہور کے پروگرام میں سندھی "وچولو" کا لب و لہجہ سطحِ سمندر کے قریب تر ہونے کی شہادت دیتا ہے جس کی ادائیگی، حلق کی تہہ سے ابھرتی معلوم ہوتی ہے۔ رسیلی اور پُرنم۔ اسی زبان سے دکنی اردو نے جنم لیا۔ جس طرح ملتان، اوچ اور رحیم یار خان کے گرد و پیش کی سرائیکی زبان سے دہلی اور لکھنؤ کی اردو نے جنم لیا۔

میں نے اپنی اس ناچیز تصنیف میں اپنے مطالعہ اور مشاہدہ اور شنیدہ کی بنیاد پر دریافت کردہ تمام رطب و یابس کو حتی الوسع مربوط صورت میں بطور

دستاویز پیش کر دیا ہے۔ میری قیاس آرائیاں بالکل صحیح نہ بھی ہوں تو کم از کم وہ مزید تحقیق کے لئے مقاماتِ آغاز کا تعین تو کر دیں گی۔

میں اپنی عزیز بیٹی سیّدہ کلثوم حسینی کا بے حد ممنون ہوں کہ اس نے امورِ خانہ داری اور دو اسکول جانے والے بچوں (سیّد ظہور علی عسکری (جماعت پنجم) اور شاہ محمد تقی (جماعت سوئم) کی دیکھ بھال سے وقت بچا کر میری گفتہ نویسی کی، اور پھر پورے مسودے کو خوشخط تحریر کر کے کتابی صورت میں ترتیب دیا۔

ہمیں اب تو غیروں کی لکھی ہوئی تاریخ کی ورق گردانی کی بجائے، ایک زندہ قوم کی طرح خود بھی اپنی تاریخ کے اوراقِ پارینہ ڈھونڈھ نکالنے چاہئیں، جو اکثر نسلی یا قومی عصبیت کے نیچے دب کر رہ گئے ہیں۔ قومیت کے تخیل کی استواری کیلئے ضروری ہے کہ ہماری قوم اپنے ملک کے ماضی کے جغرافیائی اور تاریخی حالات دریافت کرنے کا شوق پیدا کرے۔ تاکہ ہماری قوم اپنی نظر میں قابلِ افتخار بنے اور پھر قابلِ افتخار قوم کی آزادی اور استحکام کے تحفظ کا ہمارے دلوں میں ولولہ پیدا ہو۔ اور اس کی اقتصادی اور معاشی سربلندی کی تاریخی مثالیں اور ان سے حاصل کردہ سبق اس کے استقلال اور خوشحالی کے لئے ہمیں ہمیشہ منہمک رکھیں۔ گو اس مضمون کی تیاری اکثر انگریزی کتب کے مطالعہ کی بناء پر ہے، مگر قومی ضرورت بلکہ یوں کہئے قومی غیرت کے تحت قومی نمود کی خاطر پاکستان کے حصۂ غربی کی مشترکہ قومی زبان اردو میں پیش کی گئی ہے۔ ہماری قومی زندگی میں اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ہر موضوع پر بلا خوف تنقید و تصحیح قومی زبان اردو کو اختیار کریں تاکہ بعد تصحیح ہماری قومی زبان کے فرہنگ بنتے چلے جائیں۔ اس لحاظ سے سرائیکی بولنے والے اس راقم کی غلطیاں قابلِ صحت بھی ہیں اور قابلِ درگذر بھی۔

۱۰ر جون ۱۹۷۲ء

سیّد نور علی ضامن حسینی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

وجہ تسمیہ حدود و رواج

ا۔ نام میں غلط فہمی

سرائیکی زبان کے متعلق عام طور پر غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ کہ یہ کتنی پرانی ہے۔ اس کا ماخذ کیا ہے۔ اور جن علاقوں میں مروّج ہے ان کی حدُود کیا ہیں۔ اس کے نام سے متعلق بعض اصحاب کی قیاس آرائیاں مضحکہ خیز بھی ہیں۔ ایک محقق نے تو اسے سرائے کی زبان بنا دیا ہے۔ جس طرح اردُو کی بنیاد لشکر میں پڑی۔ ایک سرائیکی مفکر نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ خواجہ غلام فریدؒ چاچڑانی پنجابی زبان مُلتانی لہجے میں بولتے تھے۔ گویا کوئی کہے کہ فلاں فرانسیسی بولنے والا انگریزی زبان فرانسیسی لہجہ میں بولتا ہے۔ مُلتانی یعنی سرائیکی کے وجُود

Scanned by CamScanner

سے انکار کا عجیب طریقۂ استدلال ہے جن زبانوں کا خواجہ صاحبؒ کو علم ہونا بتایا گیا ہے اُن میں نہ تو ملتانی شامل کی گئی ہے اور نہ سرائیکی ۔

۲۔ چاروں صوبوں میں مروّج ہونے کا شرف

سرائیکی بولی کو مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں پنجاب، سرحد بلوچستان ۔سندھ اور بیرون پنجند بہاول پُور ڈویژن میں بولے جانے کا شرف حاصل ہے جو مغربی پاکستان کی کسی اور بولی کو حاصل نہیں۔اس کی صوبہ وار۔ ڈویژن وار ضلع وار اور تحصیل وار تفصیلِ حدود حسب ذیل ہے :۔

نمبر شمار	نام صوبہ	نام ڈویژن	ضلع	تحصیل	حدود
۱	پنجاب	سرگودھا	میانوالی	۔	سالم ضلع معہ سندھ پار کی تحصیل عیسیٰ خیل ۔
۲	"	"	سرگودھا	خوشاب	نصف جنوبی تحصیل آدھی کوٹ نور پور سے لے کر گروٹا تک ۔
۳	"	"	جھنگ	شور کوٹ	جہلم اور چناب آر پار کی سالم تحصیل ۔
۴	"	ملتان	ملتان	۔	سالم ضلع
۵	"	"	مظفر گڑھ	۔	"
۶	"	"	ڈیرہ غازیخان	۔	"
۷	"	بہاولپور	بہاولپور	۔	"
۸	"	"	رحیمیار خان	۔	"
۹	سرحد	ڈیرہ اسمٰعیلخان	ڈیرہ اسمٰعیلخان	...	سالم ضلع۔ بھٹانی اور شیرانی قبائلی علاقوں کے سوا۔

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	نام صوبہ	نام ڈویژن	ضلع	تحصیل	حدود
۱۰	سندھ	خیرپور	جیکب آباد	—	سالم ضلع۔
۱۱	"	"	سکھر	—	روہڑی سب ڈویژن سالم۔
۱۲	"	"	خیرپور	خیرپور	سالم تحصیل خیرپور۔ خیرپور میرس (سرائیکی ادبی بورڈ اس کا ثبوت ہے)۔
۱۳	"	خیرپور	لاڑکانہ	—	کوہ کیرتھر کا شرقی دامنی بلوچ علاقہ۔ ایک تہائی ضلع۔
۱۴	"	"	دادو	—	کوہ کیرتھر کا شرقی دامنی بلوچ علاقہ ایک تہائی ضلع جسمیں سیہون شریف اور جھیل منچھر واقع ہیں۔
۱۵	بلوچستان	کوئٹہ	لورالائی	بارکھان	سالم تحصیل کھتران میں بلوچ آباد ہیں۔
۱۶	"	"	"	موسیٰ خیل	درگ کا جعفر پٹھان علاقہ تقریباً ½ تحصیل۔
۱۷	"	"	سبی	تحصیل کوہلو، نصیر آباد سب ڈویژن	سالم تحصیل مری بلوچاں کی، سالم سب ڈویژن بگٹی اور رجمانی بلوچوں کی۔
۱۸	"	قلات	کچھی	"	سالم ضلع نوتال سے ڈھاڈر تک اور اہری سے جھل مگسی اور گندھارا تک
۱۹	"	"	لس بیلہ	دُریجی	سالم تحصیل کوہ کیرتھر کا غربی دامنی علاقہ۔ چھٹا بلوچ علاقہ۔ خضدار کے قریب نکلنے والا دریائے حب تحصیل کے درمیان میں گذرتا ہے۔

۳- وادیٔ سندھ کی تہذیب کے ساتھ گہرا تہذیبی تعلق

اگر مفصلۂ بالا سرائیکی بولنے والے اضلاع اور تحصیلوں کی حدود کو مغربی پاکستان کے نقشہ پر رنگ میں دکھایا جائے تو عیاں ہو جائے گا کہ وسعتِ رقبہ کے لحاظ سے سرائیکی زبان مغربی پاکستان کے سب سے وسیع ترین علاقے میں بولی جاتی ہے۔ اور اس رنگ کردہ رقبہ کا تسلسل اور اس کا طول و عرض وادیٔ سندھ کے مؤرخین کے لئے باعثِ حیرت اور انکشاف بن جاتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہڑپہ اور موہنجو دارو ان حدود سے ذرا باہر پڑتے ہیں مگر ہو نہ ہو سرائیکی زبان کا پانچ ہزار سال پہلے کی تہذیب وادیٔ سندھ کے ساتھ کوئی گہرا تعلق ضرور ہے۔ میں نے تفصیل بالا میں اضلاع کی موجودہ انتظامی حدود لی ہیں ورنہ سرائیکی زبان کے رواج کا ثبوت ساہیوال کے ضلع کے اندر کم از کم ہڑپہ تک مل جاتا ہے (بموجب چچ نامہ صفحہ ۴۹) مہہول سندھ کے رائے ساہسی کے عزیزوں میں ملتان کے حاکم بجھرائے کا بھتیجا تھا سکندر اعظم کے وقت میں بھی ہڑپہ کے برہمن گرد سے ملتان کے قریب تک ملی قوم آباد تھی۔ اور یقیناً ان اقوام کی زبان ایک ہوگی۔ اور وہ سرائیکی ہی ہوگی۔ اُدھر غرب میں موہنجو دارو کے گرد و پیش گوٹھ لعلو تک سرائیکی زبان کے رواج کا سراغ مل جاتا ہے۔ اگر بولی نہیں جاتی تو سمجھی ضرور جاسکتی ہے یہی حالت ضلع بستی کی تحصیل بستی کے اندر تک اور شمال میں ضلع کیمبل پور کی جنوبی تحصیل تلہ گنگ میں اور سرحد کے ضلع بنوں کی تحصیل کی [illegible] میں میانوالی ضلع کے ملحق علاقہ میں پائی جاتی ہے میں نے یہ حدود اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی بناء پر قائم کی ہیں۔ ان حدود کا اطلاق اغلبا دیرینہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کسی خاص قوم یا قبیلے پر اطلاق نہیں ہوتا۔ میں نے جب

Scanned by CamScanner

کوٹھوں تحصیل میں ایک زرغون پٹھان کو مسکرا کر فصیح سرائیکی بولتے سنا۔ جب میں نے اس کی ٹوٹی پھوٹی اردو کا جواب اپنی خاص عادت کے مطابق ملتانی زبان میں دیا تو اقوام متحدہ کے غیر ملکی ماہرین حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ یہ کونسی خفیہ زبان ہے۔ یہ پشتو معلوم نہیں ہوتی اور پشتو تو تم بول بھی نہیں سکتے۔ یہی صورت حال کوئٹہ ڈویژن کے سبی شہر سے بیس میل دور دریائے تلی کے مخرج از کوہ کی تنگی کے قریب ایک باروزئی پٹھان ملک کے ساتھ پیش آئی۔ بستی کا پولیٹیکل ایجنٹ ایک پنجابی نوجوان سی ایس پی تھا۔ حیران ہوا جب میں نے اس کو بتایا کہ ان امور میں یعنی مختلف علاقائی بولیوں کی جغرافیائی حدود ان بولیوں کے بولنے والے قبیلوں کے مخارج پر نظر رکھنا سول سروس افسران اور انجینئرز کے تاریخی فرائض ہیں۔ یہی امورِ نظم و نسق کی ترتیب اور اقتصادی بہبود کے منصوبوں کی تیاری میں کام دیتے ہیں۔

۴۔ مختلف صوبوں میں مختلف نام

اتنے وسیع تر رقبہ میں جس کو انگریزوں نے چار صوبوں اور تین خود مختار دیسی ریاستوں یعنی بہاولپور، خیرپور اور قلات میں بانٹ دیا تھا۔ اس بولی کا ایک نام رہ جانا مشکل تھا۔ غالباً یہی انگریز کی سیاسی مصلحت تھی۔ شمال مغربی سرحدی صوبے والے اس کو ہندکو کہنے لگے۔ ان کی نظر میں دریائے سندھ کے مشرق میں ہند تھا۔ گو دریائے سندھ مشرق سے غرب کی سمت سو میل ہٹ آیا تھا۔ مگر ملتان والے اس زبان کو ملتانی ہی کہتے رہے۔ بہاولپور والوں نے اس کا نام بہاولپوری رکھ دیا۔ ملتان اور بہاولپور والے اس کے اصلی قدیم تاریخی اور جغرافیائی وارث تھے۔ بلوچستان

Scanned by CamScanner

والوں نے اس کو جتکی کہہ دیا۔ اُن کی نظر میں پہاڑوں کے نیچے میدانوں میں جٹ (جاٹ) ہی رہتے تھے۔ مگر سندھ والوں نے اس کو صحیح جغرافیائی نام دیا۔ جو تاریخی علاقائی وحدت کا عکاس بھی تھا۔ جب سندھ اور اس کے کوہ سُلیمان سے نکلنے والے مغربی معاونوں کے میدانی علاقہ پر شورکوٹ سے ببّی تک ایک ہی مربوط حکومت تھی حال کی سندھی ادبی بورڈ کی شائع کردہ انگریزی تاریخ سندھ کے حصہ اوّل کے مصنّف مسٹر لیمبرک سابق انڈین سول سروس کے آفیسر تھے۔ انہوں نے اس کے نام کے اصلی راز کا افشا ممکن بنا دیا ہے۔ (جیسا کہ میں فصل ۳۰ میں عرض کروں گا) وہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ اصل میں سرو کی یعنی دریائے سندھ کے سرے والے علاقے کی زبان سندھی زبان خود اس ضمن میں 'وچولو' کہلاتی ہے یعنی درمیانی علاقہ میں بولی جانے والی زبان، کیونکہ سمندر کے قریب کے نشیبی علاقوں کی زبان کو لاڑی کہتے ہیں۔

سرائیکی اور سندھی کا ماں بیٹی والا تعلق اس بات سے ظاہر ہے کہ سندھی لفظ 'سرو' کو سرائیکی زبان 'سرا' کہتے ہیں۔ 'وچولو' کو 'وچلا' اور لاڑی کو لاڑ کہتے ہیں اسی نام کی نسبت سے ضلع رحیم یار خان کا پکّا لاڑاں اور سندھ کا لاڑکانہ (ضلع) مشہور ہے اور ان دونوں علاقوں میں لاڑ قوم بھی آباد ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے قدیم ایام میں پکّا لاڑاں کے گرد و پیش چناب اور سندھ کے سنگھم کا نشیبی علاقہ تھا۔ جھیلوں سے پُر یہی حال لاڑکانہ کے قرب میں تھا۔ جہاں کوئٹہ اور قلات کے دو مشہور دریا ناری اور بولان مل کر قدیم ایام میں اس وقت کے سندھ سے اپنا سنگھم بناتے تھے۔ یہ مقام اب سندھ میں بھی دھورو کہلاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

باب دوم

جغرافیائی اور تاریخی ثبوت

۵۔ ہڑپہ ساہیوال تا کیچ مکران ایک مربوط سرائیکی تمدن کا جغرافیائی ثبوت

میرے تجربہ اور مشاہدہ کی تصدیق ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کے ڈاکٹر ہنری فیلڈ کی زبانی سنئے جو انہوں نے ۱۹۵۵ء میں مغربی پاکستان کے دورہ کے بعد اپنی کتاب "مغربی پاکستان اینھرو پالوجیکل سروے ۱۹۵۹ء میں قلم بند کئے ہیں۔ آپ ہارورڈ یونیورسٹی کے پیباڈی میوزیم کے ڈائریکٹر ہیں۔ راقم الحروف نے اپنے مقالہ "انڈس تہذیب کے دریائی راستے" اور اس کے اندر تیار کردہ نقشوں کے ساتھ اس تصنیف کی تیاری میں حصہ لیا تھا۔ بلوچستان میں مروج زبانوں کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ

(۴۴) پر وہ ایک ٹیبل دیتے ہیں' جو حسب ذیل ہے :۔

ضلع یا ریاست	بلوچی	پشتو	بروہی	سندھی	پنجابی	اردو	پرشین
قلات	۱۹	-	۵۱	۲۹	-	-	-
خاران	۸۱	-	۱۹	-	-	-	-
لس بیلہ	۱۹	-	۱	۸۰	-	-	-
مکران	۱۰۰	-	-	-	-	-	-
چاغی	۶۰	۳	۳۳	۱	۲	۱	-
لورالائی	۸	۶۲	۱	-	۲۸	۲	-
کوئٹہ پشین	۲	۶۰	۷	-	۱۸	۷	۴
سبی	۵۴	۱۲	۷	۲۰	۵	۲	-
ژوب	-	۹۶	-	-	۳	۱	-

آپ نے دیکھ لیا کہ انگریزوں کی سیاسی مصلحت کی بنا پر سرائیکی زبان والے علاقے کو چار صوبوں اور تین ریاستوں میں تقسیم کرنے کا کیا اثر ہوا۔ اس کا وجود ہی جاتا رہا (ڈاکٹر فیلڈ تو پنجابی کو بلوچستان تک لے گئے ہیں۔ حالانکہ ملتان کے ضلع ہی سے پنجابی زبان اور تمدن کا وجود غائب ہو جاتا ہے)

اب ان کی زبانی یوروپین محققین کی مشکلات کا ذکر سنئے "بلوچی مکران خاران چاغی سبی اضلاع کی اکثریت کی زبان ہے۔ یورپین محققین بلوچی زبان کی

دو اقسام بتاتے ہیں۔ ایک مغربی بلوچی یا مکرانی اور دوسری مشرقی بلوچی یعنی مشرقی بلوچستان اور پنجاب کی زبان" اب آپ نے دیکھ لیا کہ پنجاب میں بلوچی زبان آ گئی اسی بلوچی ساخت اور ماخذ کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر فیلڈ نے ایک حوالہ دیا ہے مسٹر ای پیئرس جنہوں نے مکران کی بلوچی زبان کا مطالعہ کیا ہے کہتے ہیں کہ بلوچی کا مختلف علاقوں میں بالکل تھوڑا سا اختلاف ہے۔ مگر ہر علاقے میں کچھ نہ کچھ خاص الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جو دوسرے علاقے والے نہیں سمجھ سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ مکرانی بلوچی دراصل فارسی ہے جس میں ہندوستانی ماخذ کے الفاظ بھی داخل ہو گئے ہیں۔ اس میں موجودہ دور کی فارسی کا کوئی نشان نہیں۔ جو الفاظ فارسی کے استعمال ہوتے ہیں وہ غیر مروج ہو چکے ہیں" آگے چل کر ڈاکٹر فیلڈ لکھتے ہیں، "پشتو کوئٹہ پشین، لورالائی اور ژوب اضلاع کی اکثریت کی زبان ہے براہوی زبان قلات ضلع کی اکثریت کی زبان ہے اور خاران اور چاغی کے ضلع کی دوسری بڑی زبان ہے۔ لس بیلہ میں سندھی زبان سے مشتق لاسی زبان اکثریت کی زبان ہے قارئین حضرات یہ دیکھ لیں کہ یہاں لس بیلہ کے ضلع کی سندھ سے ملحق تحصیل دریجی کی چھٹا بلوچوں کی سرائیکی زبان کو سندھی سے مشتق زبان کہہ دیا گیا ہے اس گرد و نواح میں سرائیکی کا وجود سندھی میں غائب ہو گیا۔ سرائیکی زبان کے حشر کے متعلق ڈاکٹر فیلڈ آگے چل کر کہتے ہیں" جٹکی جو سندھی سے مشتق ایک دوسری زبان ہے ضلع قلات، سبی کی دوسری بڑی زبان ہے۔ میری عرض ہے کہ ضلع قلات کے سندھ سے ملحق ڈھاڈر والے میدانی حصہ میں جو اب ضلع کچھی بن چکا ہے اور ضلع سبی کے نصیر آباد سب ڈویژن میں خالص سرائیکی زبان بولی جاتی ہے۔ جھل مگسی کے مگسی بلوچ روجھان جمالی کے جمالی بلوچ۔ ملتان کے خاکوانیوں جیسی اور اوچ کے بخاریوں جیسی خالص

Scanned by CamScanner

اور صاف سرائیکی زبان بولتے ہیں۔ سرائیکی کے حشر کا ڈاکٹر فیلڈ کی زبانی سنئے" کہتے ہیں کوئٹہ میں پنجابی بولی جاتی ہے۔ اور اس سے مشتق دو بولیاں ہیں جعفر کی ضلع لورالائی کی تحصیل موسیٰ خیل کے جعفر پٹھان بولتے ہیں۔ اور کھترانی جو اسی ضلع کی بارکھان تحصیل کے کھتران بلوچ بولتے ہیں۔ کتنا حیرت انگیز ہے۔ کہ پنجابی زبان کوئٹہ میں جا پہنچی۔ حالانکہ دراصل کوئٹہ شہر میں سرائیکی بولنے والے ہی رہتے ہیں۔ جو جھل مگسی، روجھان جمالی، کوہلوں تحصیل ضلع سبی۔ بارکھان تحصیل و موسیٰ خیل تحصیل و ضلع لورالائی سے وہاں جا بسے ہیں۔ کوئٹہ ان کا صوبائی صدر مقام ہے۔ پنجاب کے سندھ پار کے پسماندہ ضلع ڈیرہ غازی خان کے ذہین لوگوں کی اکثریت ملازمت، صحافت اور تجارت کے سلسلے میں کوئٹہ شہر میں جا بسی ہے۔ پنجابی بولنے والے تو صرف کوئٹہ چھاؤنی افواج میں غیر مستقل طور پر رہائش پذیر ہوا کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ہنری فیلڈ نے اسی سلسلہ میں برِّصغیر ہند و پاک کا ایک نقشہ دیا ہے جس میں انڈو آریائی زبانوں کا محلِ وقوع دکھایا گیا ہے۔ اس میں برِّصغیر کی زبانوں کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ سندھی، کشمیری اور ایک لہندا زبان کو مغربی سرحدی زبانیں کہا گیا ہے۔ ان سے شرق کی طرف اندرونی زبانوں کے درجہ میں پنجابی اور راجستھانی اور گجراتی دکھائی گئی ہیں۔ جہاں پنجابی دکھائی گئی ہے وہاں متحدہ ہندوستان کے وقت کا وسط پنجاب اور مشرقی پنجاب دکھایا گیا ہے۔ ان تین سرحدی زبانوں میں یعنی کشمیری، لہندہ اور سندھی کے غرب میں پشتو، بلوچی اپنی صحیح جگہ پر مکران اور پشاور میں دکھائی گئی ہیں۔ لہندہ دراصل یہی سرائیکی زبان ہے جس کو بعض سرائیکی کے مخالف مغربی پنجابی کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ سرائیکی زبان کی صحیح ادائیگی

پنجابی کر ہی نہیں سکتے۔ لہندہ کے معنی ہیں وہ علاقہ جس طرف سورج غروب ہوتا ہو یعنی غرب کا علاقہ۔ سرائیکی زبان میں لہندہ کو لمّا کہتے ہیں۔ یہ لفظ اس وقت کی یادگار ہے۔ جب پنجاب کے پنجندہ کے آریائی شرق میں بیٹھ کر سرائیکی بولنے والوں کو لمّی کہا کرتے تھے۔ یہ لفظ دراصل عربی لفظ لمّہ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں لمبی زلفیں یعنی سر کے لمبے بال۔ کیونکہ سرائیکی بولنے والے لوگ ہڑپہ۔ ساہی وال سے لے کر کوہاٹ کے کھٹک اور بنگش پٹھانوں۔ وزیرستان کے وزیر اور محسود پٹھانوں ژوب اور کوئٹہ کے کاکڑ پٹھانوں اور جھالاوان اور مکران کے بلوچوں تک تمام لوگ سر کے بال لمبے رکھتے ہیں جن کو پشتو میں سنڑے اور سرائیکی میں چونڑے کہتے ہیں۔ (اس کا مزید ذکر سکندر اعظم کے دور میں آئے گا)

میری اس لمبی زلفوں والے لوگوں کی تفصیل کو اگر نقشے پر رنگ بھر کر دیکھا جائے تو اس میں تمام قدیم یا پنجہزار سالہ پرانی تہذیبوں کے گہوارے آجاتے ہیں۔

(۱) ہڑپہ کلچر یعنی وادی سندھ کی تہذیب۔

(۲) امری کلچر سندھ کے ضلع دادو اور لس بیلہ کی تحصیل درجی میں۔

(۳) ژوب کلچر ضلع ژوب میں۔

(۴) کوئٹہ کلچر ضلع کوئٹہ اور ضلع قلات کے علاقہ سرآب میں۔

(۵) نل کلچر ضلع قلات کے جھالاوان سب ڈویژن میں خضدار کے قریب دریائے نل پر۔

(۶) کلی کلچر ضلع مکران کے شرق میں دریائے کیچ کے مخارب آب پر۔

(۷) شاہی تمپ ضلع مکران کے غرب میں دریائے نہنگ پر اور اسی دریائے نہنگ اور دریائے کیچ کے اتصال کے نیچے سنگگندور کا مشہور ویران شہر ہے۔

اس خصوصیت مشترکہ سے ظاہر ہے کہ پنجاب کے ساہی وال سے لے کر ایران کی سرحد پر مکران کے دریائے دشت کے دہانہ پر جیونڑی بندرگاہ تک ایک ہی متحدہ تمدن ثقافت اور حکومت تھی۔ اس پر نہ تو خام محب سرائیکی بولنے والے کو اور سرائیکی نہ بولنے والے کو اور نہ کسی سرائیکی کے مخالفین کو تعجب ہونا چاہیئے کہ میں نے پہلے سرائیکی بولنے والے لوگوں کے تسلسل کو قلات کے درہ بولان اور لس بیلہ کی تحصیل دریجی میں حزدوار تک پہنچا دیا۔ جہاں سے دریائے مولہ نکل کر ضلع کچھی کے گندھاوا اور جھل مگسی کو سیراب کرتا ہے۔ جہاں سرائیکی بولنے والے بستے ہیں اور اب پھر ان سرائیکی بولنے والوں کی قدیم زمانہ سے سر پر لنگی (لنگیں) رکھنے کی عادت کو پشتو اور بلوچی اور بلوچی بولنے والوں کے علاقہ تک پہنچا دیا ہے۔ چچ نامہ جو دراصل سندھ کی مستند قدیم تاریخ ہے اور اس میں عربوں کے زمانہ تک سندھ کی ایک عظیم متحدہ حکومت کی حدود کچھ اس طرح بیان کرتا ہے۔ محمد بن قاسم کے وقت تک سندھ عظیم کی یہی حدود تھیں۔ سوائے مکران کے جو غالباً محمد بن قاسم کے آنے سے پہلے عربوں کے قبضے میں آچکا تھا۔ (اس ضمن میں سندھی ادبی بورڈ کے شائع کردہ چچ نامہ کا صفحہ ۴۴ ملاحظہ ہو)۔

" رائے سیہرس بن رائے ساہسی کی حکومت کی حدود مشرق میں کشمیر۔ مغرب میں مکران، جنوب میں دیبل۔ اور ساحل سمندر۔ اور شمال میں کردوں کے پہاڑ اور کیکانان تک پھیلی ہوئی تھی۔"

Scanned by CamScanner

کردوں کے پہاڑ سے مراد قلات سبی اور خاران کے بلوچوں کے پہاڑ کو یکا نان سے مراد کاکڑ پٹھانوں کا ژوب پشین علاقہ ہے۔ کیونکہ کرد اور بلوچ پٹھانوں کی طرح کوہ سلیمان کی پشت پر رہنے والی قومیں ہیں۔ جو پاکستان سے ایران، عراق اور ترکی کے کردستان تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ان قوموں کی مزید تفصیل آگے چل کر اصحاب الرس کے دور میں پیش کی جائے گی.

۶۔ موجودہ پنجاب کی نظام آبپاشی کی تقسیم تاریخ دہرا رہی ہے۔

اس سرائیکی بولنے والے علاقہ کی قدیم زمانہ سے وحدت کا ثبوت پنجاب اور بہاولپور کی موجودہ زرعی اقتصادی تقسیم نے بھی بہم پہنچا دیا ہے۔ پنجاب کا شرقی حصہ تا ضلع بہاولنگر منگلا ڈیم سے سیراب ہوگا۔ اور غربی حصہ تاربیلہ ڈیم سے۔ تاریخ ایک پر اسرار طریقہ سے اپنے آپ کو دہراتی ہے اس لئے یہ ایک تعجب انگیز امر ہے کہ دریائے سندھ کے تاربیلہ ڈیم سے پانی لانے والا چشمہ۔ بیراج تا جہلم لنک تریموں۔ سدھنائی کچا کھوہ۔ میلسی بہاول لنک۔ ڈیزرٹ برانچ کے راستے ڈیرا اور تک اسی راستے پر پانی لے جائیگا۔ جہاں پانچ ہزار سال پہلے (بموجب سر آرل سٹین) دریائے سندھ تقریباً تقریباً اسی راستے پر چلکر سرائیکی بولنے والے علاقہ کی شرقی حد قائم کر دیتا تھا۔ اور اسی وقت دریائے سندھ کے اسی راستے کے شرق والے علاقے کو ہند کہتے تھے اور اس کے غرب اور کوہ سلیمان کے درمیان والے علاقے کو ازکالا باغ تا سبی از ہڑپہ تا موہنجو دارو تا جھیل منچھر و سیوان شریف اور از ڈیرا دڑتا پتن منارہ دا لور سندھ کہتے تھے۔ اس زمانے کے چناب اور جہلم قریباً قریباً اسی راستے اور رخ پر چلتے تھے (بموجب سر آرل سٹین) جہاں منگلا ڈیم کا پانی رسول قادر آباد بلوکی سلیمانکی لنک

اور ہکڑہ برانچ کے راستے فورٹ مروٹ تک جائے گا۔ مروٹ اور ڈیراوڑ اور اس وقت کے پنجند اور کوٹ مٹھن سنگھم تھے۔ سر آرل سٹین آنجہانی نے اپنے مضمون دریائے سرسوتی کے کنارے قدیم مقامات کی سروے رائل جیوگرافیکل جرنل لندن ستمبر ۱۹۴۳ء میں اپنا نظریہ ظاہر کیا ہے۔ دریائے ستلج کو اس کی موجودہ جگہ پر پانچ ہزار سال پہلے چلتا ہوا فرض کر کے کہا ہے کہ اس وقت کے دریائے ستلج سے دو شاخیں ایک دوسرے سے اسی میل تک نکل کر اسی پرانے دریائے سرسوتی یا ہکڑہ کو پانی بہم پہنچاتی تھیں۔ ایک کے راستے کے ساتھ سلیمانکی کی ہکڑہ برانچ چل رہی ہے۔ اور دوسری کے ساتھ بہاول کینال کی ڈیزرٹ برانچ رواں ہے خدا کا کرنا کیا ہوا کہ یہ دونوں شاخیں بیک وقت کسی وجہ سے بند ہو گئیں۔ چونکہ سر آرل سٹین دسمبر ۱۹۴۳ء میں کابل میں نمونیہ سے فوت ہو گئے ورنہ اس ابتدائی تحقیقات کی مزید توضیحی تحقیقات کرنے کے بعد میرے بیان کردہ نظریہ کی توثیق کرتے کہ چناب اور سندھ مروٹ اور ڈیراوڑ پر آکر اس وقت کے دریائے ستلج اور دریائے پنجند کو آکر ملتے تھے۔ اور پھر کسی وجہ سے ان راستوں سے ہٹ کر یا تو کسی زلزلہ نے بیک وقت ان کا رخ تبدیل کر دیا۔ اور یا وہ قدرتی قانون غرب روی کے تحت شمال اور غرب کی طرف چلے گئے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ کوہستان نمک کے شمال کے پہاڑی علاقے کے اضلاع راولپنڈی۔ جہلم، ہزارہ اور کیمبل پور دریائے جہلم اور چناب اور سندھ کے غرب کی طرف چلے جانے کے باوجود ہمیشہ پانچ ہزار سال پہلے سے اب تک سندھ ساگر دوآب کا حصہ ہی رہے ہیں۔ چچ نامہ اسی کوہستان نمک کو پنج موہنیات کا علاقہ کہکر کشمیر کی حد

حد تک بتلاتا ہے۔ چوعہ سیدن شاہ سے لے کر جھیل سکیسر تک پانچ میٹھے یا کھاری پانی کی جھیلیں اب بھی موجود ہیں۔ اس وقت کے سندھ ساگر۔ دوآب کی بولی آج بھی خوشاب سے بہاول نگر تک نہ پنجابی ہے نہ سرائیکی مگر سرائیکی کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ زبان ایک دائمی چیز ہے۔ منگلا ڈیم کے سلسلہ ہائے لنک اور اور تار بیلہ ڈیم کے سلسلہ ہائے لنک کے درمیان یہی زبان باروں کی زبان کہلاتی ہے۔ اعوان، ٹوانہ، نون، بندیال، سیال، کھرال، کاٹھیا، لنگڑیال، جویا اور وٹو قبائل ساکن موجودہ لوئر چج دوآب، لوئر رچنا دوآب، لوئر باری دوآب اور بیرون پنجند کے اضلاع سرگودھا، لائل پور، جھنگ، ساہیوال اور بہاولنگر یہی زبان بولتے ہیں۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس پانچ ہزار سال پرانے سندھ ساگر دوآب کے درمیان میں سرگودھا، چینوٹ، سانگلہ ہل اور شاہ کوٹ کی بقیتہ المدفون پہاڑیاں اس کو دو شرقی اور غربی نصف میں تقسیم کرتی ہیں۔ یہ پہاڑیاں کوہ اراولی کی شاخ ہیں جو دہلی سے مڑ کر پنجاب میں آجاتی ہیں۔ لاہور، قصور اور چونیاں کے قریب یہ پہاڑیاں زمین کی سطح سے ایک ہزار فٹ سے بارہ سو فٹ .... تک نیچے مدفون ہیں، غالباً یہی زمین میں دبی ہوئی پہاڑیاں دریائے سندھ کے مسروبہ رقبہ کی شرقی حد اور جہلم چناب کے مسروبہ رقبہ کی غربی حدِ فاصل کا کام کرتی تھیں۔ آج بھی یہ پہاڑیاں پنجاب کے شرقی رود کوہیوں والے اضلاع گجرات، گوجرانوالہ شیخوپورہ اور لاہور کی حد ہیں۔ گو جہلم اور چناب ان کے غرب میں چلے گئے ہیں۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ کوہ اراولی کی شاخ کی موجودگی وادیٔ سندھ کی قدیم مشرقی حد پر موجودہ پنجاب کے

Scanned by CamScanner

اندر وادیٔ سندھ کے تمدن کے حدود اربعہ کو دہلی اور کاٹھیا واڑ تک سے جاتی ہے۔ کاٹھیا واڑ میں بھی وادی سندھ کی تہذیب کے ایک دورانتادہ، اثر یافتہ رنگ پور شہر کی کھدائی ہوئی ہے جسطرح دریائے ستلج کے مخرج از کوہ کے مقام روپڑ پر کوٹلہ نہنگ میں نکلے ہیں (اس حدُود اربعہ کا مزید ذکر آگے چل کر ہوگا)

۷۔ سرائیکی تمدّن کی قدامت کا تاریخی ثبوت

اس جغرافیائی قدامت کا تاریخی ثبوت ہندوؤں کی جٹکا کہانیوں سے جو دراصل رگ وید کی شرح کے بطور لکھی گئی ہیں۔ مل جاتا ہے یہ لفظ جٹکا بھی جٹکی کی طرح۔۔۔۔۔ قوم جاٹ سے تعلق رکھتا ہے۔ موجودہ شورکوٹ سے موجودہ بھی تک سیوی بادشاہوں کی حکومت کا ذکر کیا گیا ہے جب ارتھ ہیرا اور جٹ اروڑ یکے بعد دیگرے اس کے دارالخلافے تھے۔ سیوہ پور موجودہ شورکوٹ کے قریب اس کا اہم شہر تھا۔ سیوی بادشاہ آریہ نسل سے نہ تھے بلکہ دراوڑ قوم سے تھے، رگ وید اور جٹکا کہانیوں کے بعد سیوی قوم کا ذکر یونانی تاریخوں میں سکندر اعظم کے وقت تک ملتا ہے۔ یہ تچ نامہ کے مصنف علی بن احمد کوفی اوچی نے سیوستان اور سیوی قوم کا ذکر عربوں کے وقت میں بھی کیا ہے۔

حال کے ایک انگریز مصنف نے (ہسٹری ٹوڈے۔ لنڈن) سکندر اعظم کی بہادلپور ٹو وجرن کے شہر احمد پور شرقیہ کے قریب سبوئی (سیوی) قوم کے باشندوں سے ملاقات کا ذکر کیا ہے جنہوں نے کھالیں پہنی ہوئی تھیں اور ہاتھوں میں کلب دگرز) اٹھائے ہوئے تھے۔ غالباً مغرب کے پہاڑوں سے اتر کر ملنے آئے تھے

اسی احمد پور کے مشرق میں سولہ میل دور اور بہاول پور سے اٹھارہ میل غرب کی طرف موضع سوئی وہاڑ اس قوم کی یادگار ہے۔ جہاں راجہ کنشکا کے وقت (۱۲۵ء) کا بدھ معبد موجود ہے۔ ضلع رحیم یار خان کا مقام سیورا ہی (سردا ہی) سندھ کے ضلع سکھر کے تعلقہ آبادڑہ میں مقام سوئی شریف بگٹی علاقے میں سوئی گیس کا مشہور مقام اور ضلع سبی کا شہر سبی اور سہوان کا قدیم نام سیوستان مزید یادگاریں ہیں جن کا تسلسل بہاول پور سے سبی تک باعثِ تعجب ہے۔

۸۔ سرائیکی زبان کی حلاوت اور رسیلاپن روحانی عروج کے تسلسل کی یادگار ہے

اس زبان کی حلاوت اور رسیلے پن سے یوروپی محققین میں سب سے پہلے سرجان فلبی کے کان آشنا ہوئے انہوں نے اس زبان کو برِ صغیر کی قدیم ترین پراکرت کہا ہے۔ جان فلبی اس وقت ایک جواں سال انڈین سول سروس آفیسر تھے۔ ڈیرہ غازیخان کے ڈپٹی کمشنر کے پولیٹیکل ...... اسسٹنٹ مقرر ہوئے۔ ڈیرہ غازی خان کے قبائلی علاقے کا چارج ان کے پاس تھا۔ اس علاقہ کے نرم اور شیریں لہجہ سرائیکی بولنے والے مفلس مگر صابر و شاکر لوگوں کے پرسکون چہروں اور خلق بھری نگاہوں نے ان کو بڑا متاثر کیا۔ انہوں نے اس غریب قبائلی لوگوں کے اس اندازِ انسانیت کو اسلام کا فیضان سمجھا اور بالآخر وہ خود بھی مشرف بہ اسلام ہوئے اور ملازمت چھوڑ کر عرب چلے گئے جہاں وہ شہ ابن سعود کے دوست اور مشیر بنے۔ سرائیکی زبان کی حلاوت کا ذکر آیا ہے۔ تو یہ کہنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ چند سال ہوئے جنگ کراچی میں مسٹر بلوچ نے سرائیکی پر مقالہ لکھا تھا کہ نرم لہجہ اور شیریں زبانی میں برصغیر ہندو پاک میں سرائیکی

زبان وہی پایہ رکھتی ہے جو یورپ کی زبانوں میں نرم ادائیگی اور حلاوت کے لحاظ سے فرانسیسی زبان رکھتی ہے۔ یہ حسنِ اتفاق سمجھیں کہ ایک برطانوی یونیورسٹی میں فرانسیسی زبان کی فرانسیسی نژاد اُستانی میڈم ڈرمنڈ ایک سرائیکی بولنے والے علاقے سے آئے ہوئے اپنے شاگرد کو فرانسیسی الفاظ کی صحیح ادائیگی اور نرم لہجے پر تحسین دیا کرتی تھی۔ دریافت کرنے پر جب اسے بتایا گیا کہ وہ پنجاب سے ہے تو وہ کہتی کہ نہیں نہیں موسیو! میرے دوسرے پنجابی شاگرد یہ نرم ادائیگی نہ کر سکتے تھے۔ میرے خیال میں غالباً وہ اس وقت کے مشرقی پنجاب یا وسط پنجاب سے تھے۔ سرجان فلبی کا اندازہ کہ یہ اندازِ انسانیت اسلام کا فیض تھا، صحیح تو تھا۔ مگر ادھورا تھا۔ وادی سندھ کے اس سرائیکی بولنے والے علاقے کے لوگ ہمیشہ حاملانِ دینِ اسلام رہے ہیں، آدم علیہ السلام سے لے کر ابراہیمؑ تک انبیائے کرام کا یہی وطن تھا۔ ایک شیعہ مفسر نے بلا حوالہ دیئے آدمؑ کو ہندوستان سے چالیس بار حج پا پیادہ کرتے بیان کیا ہے۔

باب سوئم

رُوحَانی تسَلسَل کا ثبُوت

9. کیا مُلتان ایوبؑ کا وطن ہے؟

'مُلتان کے گزٹیئر (۱۹۰۲ء) کے مُصنّف مسٹر میکلیگن نے جو بعد میں گورنر پنجاب ہوئے، لکھا ہے کہ یہ عام طور پر مشہور ہے کہ ایوبؑ کا مزار 'مُلتان میں ہے یہ وہی صابر پیغمبرؑ تھے جن کا بدن زخموں سے بھر گیا تھا اور وہ عرصہ تک آزمائش میں رہے، اس قسم کی ایک روایت مُلتان کے قدیم زمانہ کے ایک بادشاہ کے متعلق چچ نامہ میں ایک برہمن کی زبانی بیان کی گئی ہے۔ جس نے محمد بن قاسم کے سامنے حاضر ہو کر کہا کہ مُلتان کے بزرگوں سے اس طرح سُنا گیا ہے۔ کہ پرانے زمانے میں کشمیر کے راجہ کی اولادوں میں سے جوبن نامی ایک راجہ اس شہر میں راج کرتا تھا۔ جو ایک برہمن راہب

Scanned by CamScanner

تھا۔ اور اپنے طریقہ کا پابند تھا۔ چچ نامہ کے شارح ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے صفحہ ۱۷۵ پہ لکھا ہے۔ کہ ہوڑی والا کے مطابق یہ نام جنید یو (یعنی سمبدیو) ہونا چاہیئے' جو راجہ سامب مشہور ہے۔ سامب کو درواسس نامی فقیر کی بد دُعا کی وجہ سے کوڑھ ہو گیا تھا اور وہ متر ون کے پودوں میں جا بیٹھا اور متر یعنی سورج کی پوجا کرنے سے اس کو نجات ملی اور اس نے اس لئے متر یعنی سورج دیوتا کی پرستش کے لئے ایک مندر میں سونے کا بت ایستادہ کیا۔ عیسائیوں کی انگریزی بائبل کے حصہ تورات میں جاب کا صحیفہ موجود ہے۔ جاب اور جوبن کی صوتی مشابہت بہت قابل غور ہے یہی جاب ایوبؑ تھے ملتان کی روایت میں راجہ جوبن کا ذکر ہے جو راجہ سامب کے نام سے بھی مشہور تھا اور اس کو کوڑھ ہو گیا تھا۔ غالباً ملتان ہی ایوبؑ کا وطن تھا۔

ایوبؑ کا زمانہ موسیٰؑ کے زمانے سے بھی پہلے کا بنایا جاتا ہے۔ غالباً وہ ابراہیمؑ سے بھی پہلے ہوں گے۔ محققین کہتے ہیں کہ صحیفہ جاب کی ساخت اور محاورے بتاتے ہیں کہ وہ عربی میں تھا۔ جملہ معترضہ کے طور پہ عرض ہے کہ درواسس فقیر اور درویش میں کتنی قریبی صوتی مشابہت ہے۔ اسلامی روایت میں کہا ہے کہ ایوبؑ نے مکھیوں سے کدو کی بیل کے سائے میں پناہ لی۔ اور اس ہندو روایت میں مترون کے پودوں میں جا بیٹھنے کا ذکر ہے۔ غالباً یہ میترا (تربوز) کی بیل تھی (ون ساوی درخت) جو ریت پر تھوڑی سی نمی کے اندر بھی سورج کی دھوپ کے فیض سے پل جاتی ہے غالباً اسی بناء پہ ہندو نظریہ کے مطابق وہ سورج کی پروردہ ہے۔ سکندر اعظم کے وقت میں بھی بستی کے قریب والے علاقے میں پہاڑی

لوگوں کے ایک راجہ سمبوس کا ذکر ہے جو راجہ سامب کے لگ بھگ ہے۔ یہ بھی ملتان تا سبی کی وحدت کا ثبوت ہے۔

۱۰۔ کیا وادی سندھ ہودؑ اور صالحؑ کا وطن تھا۔

حیرت کا مقام ہے اور افسوس کا بھی کہ راسخ العقیدہ مفسرین قرآن نے انبیاءِ کرام کی تلاش جزیرہ نما عرب کے اندر تک محدود رکھی یا وہ صرف عراق تک گئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا نورِ ہدایت ہر وادی دریا میں پہنچا۔ اور وادیٔ سندھ تو سب وادیوں سے وسیع تر اور طویل و عریض ہے۔ آوچ کے متعلق جو کوہِ سلیمان کے دامن سے صرف ساٹھ میل دور ہے۔ قدیم روایتوں میں ذکر ہے کہ یہ راجہ ہودی کا شہر تھا اور سیالکوٹ میں جو کوہ ہمالیہ کے دامن سے صرف بیس میل دور — اور چناب کے کنارے پر ہے ایک راجہ سالی واہن (صالی واحن) حکومت کرتا تھا۔ جنرل کنگھم کا قیاس ہے کہ کہ راجہ ہودی ایک انڈو سیتھین جرنیل تھا جس نے کہروڑ کے مقام پر راجہ سالی واہن سے لڑائی کی اور شکست کھائی (بہاول پور گزیٹیر) دراصل حقیقت اور ہے یہ کہانیاں اور اندازے قدیم ہندوؤں کی روایتوں میں ہودؑ اور صالحؑ کے قرآن کریم کے بیان کردہ ---- قصوں کا ابتدائی سراغ ہیں۔ میری رائے میں ہودؑ اور صالحؑ اسی وادی سندھ میں تھے پانچ ہزار سال پہلے کے دریائی نظام نے اپنی حالت بدلنی شروع کی اور جنوب سے شمال کو اور مشرق سے غرب کو ہٹنے لگے اور جنوبی ترین دریائے ستلج اپنے پیچھے

چولستان کا صحرا چھوڑتا آیا۔ ماہرین مواسم کے قول کے مطابق، سپین کے کوہ پیرنیز اور اٹلی کے کوہ ایلپس کے برف کے اوپر ہٹنے سے اللہ تعالیٰ نے اس وقت مغرب سے بحر اوقیانوس سے آنے والی بارانِ رحمت سے لدی ہوئی ہواؤں کے رُخ اور مقدار کو بھی بدل دیا۔ کوہِ سلیمان کے دامن میں خشک سالی نے زور پکڑا اور کوہ ہمالیہ سے آنے والے پانچ دریاؤں پر اور دریائے سندھ پر رہنے والے باشندوں کے درمیان پانی کے تنازعات نے سر اٹھایا۔ اس لحاظ سے طوفان نوحؑ بھی جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے اسی وادی میں آیا ہوگا۔ کیونکہ قومِ نوحؑ کے بعد عاد اور عاد کے بعد ثمودؑ آئے۔

۱۱۔ وادئ سندھ میں طوفانِ نوحؑ کا ثبوت

ہندو روائیتوں میں طوفان نوحؑ کی طرز کے سیلاب کا ذکر میرے اس نظریہ کی تائید کرتا ہے۔ ایک تصدیق تو نوحؑ اور منو رشی کی صوتی مشابہت ہے اور دوسری تصدیق فیصل یہ ہے کہ اس ہندو روایت میں ایک چھوٹی مچھلی اور بڑی مچھلی کا ذکر ہے۔ جس نے نوحؑ سے آکر پناہ مانگی کہ بڑی مچھلی اس کو نگلنا چاہتی تھی۔ قرآن کریم میں اس طبقاتی کشمکش کو اشارہ کی بجائے کھلے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ قوم نوحؑ کے مالدار لوگ جو شریف کہلاتے تھے 'مفلس لوگوں پر جن کو وہ رذیل کہتے تھے سختی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر عذابِ طوفانِ نوحؑ کی صورت میں بھیجا۔ نوحؑ کی کشتی ہمناوت پہاڑ پر جا لگی۔ قرآن کریم میں کوہ جودی کا ذکر ہے۔ دجلہ اور فرات

کے عراق کی کہانی میں آنو کا ذکر ہے۔ جو نوحؑ کے نام سے مشابہت تو رکھتا ہے۔ مگر بد کرداری کی تفصیل بیان نہیں ہوئی۔

دوسرا ذکر اس میں دیوتا بعل کا ہے۔ جس کی پرستش عراق کے کلدانی، سکندر اعظم کے وقت تک بھی کرتے تھے۔ جس کا ذکر یونانی مؤرخ ایرین کی تاریخ سکندر اعظم میں ہے۔ کلدانی اس وقت بابل میں قید تھے۔ سکندر اعظم ان کو وہاں ملا۔ میری رائے میں عراقی روایت ہندو روایت سے بہت بعد کی ہے۔ اور غالباً اس سے نقل کی گئی ہے۔ اس کا مزید تائیدی ثبوت نیچے چل کر عرض کروں گا۔

۱۲۔ سالی واہن کے بیٹے پورن کی بد دعا اور وششٹا کی خودکشی

ایک اور ہندو روایت میں ذکر ہے کہ راجہ سالی واہن کے بڑے بیٹے پورن نے جو ایک مجذوب فقیر تھا ستلج کو کسی وجہ سے بد دعا کی اور حکم دیا کہ وہ اپنے راستے کو چھوڑ کر شمال میں جا کر راوی دریا سے جا ملے (کلکتہ ریویو جولائی ۱۸۷۴ء) مہابھارت میں ایک اور ہندو روایت ہے کہ جب وششٹا نے ستلج میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی تو دریا ایک سو شاخوں میں تقسیم ہو گیا۔ راجہ سالی واہن کے زمانہ میں دریائے ستلج ہمالیہ سے روپڑ پر نکل کر جنوب کی طرف بہتا ہوا انوپ گڑھ پہ گھاگرا کو ساتھ لیتا ہوا بہاولپور کے چولستان میں ولہرا اور فورٹ عباس کے قریب چل کر فورٹ مروٹ پر اس زمانے کے چناب میں آملتا تھا۔ اور یہ پانچوں دریا پنجند بن کر فورٹ ڈیراور

Scanned by CamScanner

پر دریائے سندھ میں جا ملتے تھے۔ ولڑ سے لیکر دراوڑ تک ایک کثیر تعداد اجڑے ہوئے بلند و بالا شہروں کی سرخ ٹیلوں کی صورت میں پڑی ہوئی ہے۔ غالباً یہی ساہی واہن کا وطن تھا۔ جنرل کننگھم نے بھی اس قوم ساہی واہن کا جیسلمیر تک وطن دکھایا ہے۔

۱۳۔ عاد اور ثمود کی ہجرت کا نظریہ

میرے اس تفصیلی بیان پر راسخ العقیدہ لوگوں کو غلطی کا گمان بھی ہو سکتا ہے کہ ہودؑ کی قوم عاد اور صالحؑ کی قوم ثمود کا وجود کیسے ثابت ہو گا۔ کہا جا سکتا ہے کہ ثمود تو پہاڑوں کو کھود کر مکان بناتے تھے اور یہ سراغ ثمود کا عرب میں مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے درمیان ملتا ہے۔ تازہ تحقیق بتاتی ہے کہ قوم ثمود کے وجود کا پتہ عدن کے پہاڑوں میں اور حضر موت کی وادی میں بھی ملتا ہے (جیو گرافیکل میگزین لندن) میں کہوں گا کہ قوم عاد کے بعد قوم ثمود وادی سندھ سے یکے بعد دیگرے ہجرت کر کے پہلے عدن اور حضر موت پہنچے۔ میرے خیال میں سندھ میں باقی رہ جانے والے ثمود بعد میں قوم سمہ مشہور ہوئے اور آج تک اسی نام سے مشہور ہیں۔ اور پھر دوسری ہجرت میں ثمود بیت المقدس کی طرف چلی گئی۔ اور قوم عاد ان سے پہلے دوسری ہجرت میں عراق کی طرف چلی گئی تھی جہاں بابل کے گرد و پیش میں آثار قدیمہ سے برآمد ہونے والی الواح سے سرائیکی زبان کے الفاظ بھی ملتے ہیں (تاریخ سرائیکی ظامی) اور ہڑپہ

اور موہنجو دارو جیسی مہریں بھی ملتی ہیں اور ان الواح پر پڑھے جانے والے بادشاہوں کے ناموں میں ہندو ویدک زمانہ کے بادشاہوں کے ناموں جیسے ہیں (معارف الآثار۔ کرنل رشید) گمان غالب ہے کہ جمنا کے کنارے سے سندھ تک پھرنے والی خانہ بدوش توم اوڈ یہی قوم عاد ہے۔ غیور اور جفاکش اور دیوار ساز، یورپ کے خانہ بدوش جپسیز بھی ان کی اولاد ہیں ان کی دومنی زبان میں سرائیکی کے الفاظ ہیں جن کو پنجابی فرض کر لیا گیا ہے۔

۱۴۔ کیا ابراہیمؑ نے وادیٔ سندھ سے ہجرت کی؟

میں نے اوپر ذکر کیا تھا کہ ابراہیمؑ بھی اسی وادی میں پیدا ہوئے کیونکہ تورات میں کلدانیوں کے شہر اُر سے ابراہیمؑ کی ہجرت شروع ہوتی دکھائی ہے۔ اس لئے انگریز ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے عراق کے ایک شہر کی کھدائی کے بعد اس کا نام اُر رکھ دیا اور اس کو ابراہیمؑ کا وطن فرض کر لیا۔ حالانکہ وادیٔ سندھ کی تاریخ میں جٹ اروڑ کا بھی ذکر ہے۔ اور الور کا بھی ذکر ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ عراق کے کلدانی خلیج فارس کے اس پار شمالی کنارے رہتے تھے۔ اور سندھ کے کلدانی بحیرہ عرب کے مشرقی کنارے اس پار رہتے تھے۔ وہ بھی دیوتا بعل کی پوجا کرتے تھے جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے جس کے معبد کا وجود سندھ میں حال کی تاریخوں میں عربوں کے وقت سے بھی ملتا ہے۔ کلدانی لفظ کلا سے بنا ہے عربی میں کلا دریا یا سمندر کے کنارے کو کہتے ہیں۔ یونانی کا لفظ چیلی اسی عربی

لفظ کلا سے مشتق ہے جس سے تورات کی قوم چیلڈیز کا نام بنا۔ تورات کا بیان کردہ شہر اُر اسی قوم کا شہر تھا۔ سندھ میں دیبل کا سمندر پر واقع شہر عربوں کے وقت سے مشہور ہے۔ دیبل دراصل دیبہ بال ہے یعنی بعل کی بستی۔

باب چہارم

روحانی اقدار کا تذکرہ

(۱) حضور اکرمؐ کی احادیث کی ماہرین موسم کے نظریہ سے تصدیق

اب میں ضمناً روحانی اقدار کا ذکر کرتا ہوں۔ میں نے اُوپر باران رحمت کے رُخ اور مقدار میں تبدیلی کو وادئ سندھ کی یعنی سرائیکی وطن کی خشک سالی کے آغاز اور تدریجاً بربادی کا ذکر کیا تھا۔ جو حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت، بطرف عراق پر منتج ہوا۔ ماہرین مواسم بیان کرتے ہیں کہ پچیس ہزار سے دس ہزار سال پہلے تک بحیرہ عرب اور بحیرہ روم کے گرد کے ملکوں میں یعنی وادئ سندھ، وادی عراق وادی نیل اور جزیرہ نما عرب کے پہاڑوں پر برف سات ہزار فٹ تک پڑی ہوئی تھی جو اب دس ہزار فٹ کے اوپر تک رہتی ہے۔ ان ممالک کا اوسط درجۂ حرارت اب کی نسبت

بہت نیچے تھا۔ اس کے نتیجہ میں بحر اوقیانوس سے آنے والی بارش سے لدی
ہوئی ہواؤں کا رُخ سیدھا وادی سندھ کی طرف تھا۔ ساری وادی میں
تیس سے چھتیس انچ تک بارش ہو جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کی نوازش سے
ہر ماہ تین انچ اور ہر ہفتہ پون انچ ہو جاتی تھی دریا اور نالے بھر کر چلتے تھے۔
دور تک چلتے اور دیر تک چلتے تھے۔ اس وقت وادی سندھ یورپ، برطانیہ
اور شمالی امریکہ کی طرح سرسبز اور شاداب تھی (رائل جغرافیکل جنرل لندن) جہاں
بارش کا معیار اب بھی وہی ہے جو اس وقت وادی سندھ میں تھا۔ اچانک
قدرت کے نظام تکوینی کے تحت وہ وقت آ پہنچا جو مقدر تھا ماہرین موسمیات
نے تمام براعظموں میں مشاہدہ کے بعد یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچائی ہے۔ کہ
تقریباً چھ لاکھ سال سے اب تک دنیا پر برفانی دور محیط ہے۔ کیونکہ یہی برف
انسان کے لیے سمندر، دریا، چشموں اور بارش کا مبداء ہے لیکن اس میں چار دور
انجماد کے آ چکے ہیں۔ جب دنیا کا بیشتر حصہ برف سے ڈھک جاتا تھا اور
تین دوران چار دوروں کے درمیان خشک سالی کے آئے۔ موجودہ دور
چوتھی خشک سالی کی طرف جا رہا ہے۔ جس کا آغاز دس ہزار سال پہلے درجۂ
اوسط حرارت کے صفر کے گذرنے پر ساتویں آدمؑ کی پیدائش پر شروع ہوا
اس ضمن میں حضورؐ رسول عربیؐ کی دو حدیثیں زیر نظر رکھنی چاہئیں۔ آپ نے نوحؑ کو
موجودہ دور کا آدمؑ ثانی فرمایا اور پھر فرمایا کہ موجودہ دورِ انسانیت کے
آدمؑ ساتویں ہیں۔ میں نے یہ تذکرہ قارئین کے غور و فکر کے لیے کر دیا ہے
اور اقوال نبیؐ کی صداقت کا اقوالِ ماہرین سے ثبوت دیا ہے (دی فیس آف ارتھ)

Scanned by CamScanner

(ڈوری صفحہ ۱۵۷)

۱۶- وادیٔ سندھ میں طوفانِ نوحؑ کا سائنسی ثبوت

انہی ماہرین نے کہا ہے کہ جب پانچ ہزار سال پہلے خشک دور کا اوسط درجۂ حرارت ایک حد تک چڑھ کر پہنچا تو برف سات ہزار فٹ کی بلندی کے اوپر کی طرف پگھلنی شروع ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں دریاؤں میں سیلاب آئے۔ سمندر کی سطح تین سو فٹ اوپر چڑھ گئی۔ غالباً یہی طوفانِ نوح تھا۔ سوال ہوگا کہ وادیٔ سندھ میں طوفانِ نوح کیوں پہلے آیا اور کیوں زیادہ تباہی کی۔ آپ نقشہ پر نظر ڈالیں کہ دریائے سندھ اور اس کے پانچ معاونوں کے مخارجِ آب کوہِ ہمالیہ میں ہیں جو تبت تک چلے جاتے ہیں اور ایک طویل و عریض وسیع رقبہ میں برما سے چترال تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اتنی وسعت نہ عراق کے دجلہ اور فرات کے مخارجِ آب کی ہے اور نہ دریائے نیل کے مخارجِ آب کی جو خطِ استوا پر واقع ہیں۔ طوفانِ نوح ہر وادی میں مختلف اوقات میں آیا۔ لیکن قرآن کریم کا بیان کردہ طوفانِ نوحؑ وادیٔ سندھ میں آیا۔ کیونکہ اس کے مخارجِ آب وادیٔ عراق کے مخارجِ آب سے دو درجے عرضِ بلد خطِ سرطان کے زیادہ نزدیک ہیں انہی وجوہ پر دریائے نیل کا طوفان جس کے مخارج خطِ استوا پر ہی ہیں سب سے پہلے آیا چونکہ وہاں اولادِ آدمؑ ابھی تک آباد نہیں ہوئی تھی۔ آسوان کی آخری افتادِ آب جو تقریباً خطِ سرطان پر ہے (کینسر کیٹ) کے نیچے بحیرہ روم کے آبنائے بہتی تھی (بموجب ہیرو ڈوٹس۔ تاریخ) جو آنے والے سیلاب کی

مٹی سے بھرتی رہی اور موجودہ مصر کا ملک بن گیا۔ جب وادی سندھ میں جو ہی آدمؑ کا پہلا مسکن تھا۔ طوفان نوحؑ آیا برف پگھلنے اور پھیلنے لگی اور دریا الٹ پلٹ ہو گئے۔ پرانے راستے چھوڑ کر نئے راستے اختیار کر لیے۔ سمندر کی سطح تین سو فٹ بلند ہو گئی۔ شہر ڈوب گئے برباد ہو گئے (رائل جغرافیکل جرنل لندن) بحر اوقیانوس سے آنے والی ہواؤں کا رخ شمال مشرق کی طرف اوپر ہٹنے لگا باران کی کمی نے اور بربادی کر دی۔ یہی غالباً ہودؑ اور بعد میں صالحؑ کا زمانہ تھا۔ مگر نوحؑ سے لے کر اس وقت تک یافث بن نوحؑ کی اولاد شمال کی طرف پہاڑوں میں چلی گئی تھی۔ وہاں بارشیں بدستور ہو رہی تھیں۔ حام بن نوحؑ کی اولاد مصر کی طرف چلی گئی۔ سام بن نوحؑ کی اولاد اپنے آبائی مسکن میں رہ گئی۔ ہودؑ اور صالحؑ کے وقت کے بعد عاد اور ثمود کی قوموں کا کچھ حصہ بھی جزیرہ نما عرب اور عراق کی طرف ہجرت کر گیا کیونکہ وہاں دور کی وادی سندھ کی نسبت بحر اوقیانوس سے آنے والی بارشیں کوہ لبنان کو پار کر کے ابھی نسبتاً زیادہ ہوتی تھیں۔ عدن اور حضر موت کی وادی چونکہ خطِ سرطان سے نیچے تھی، طوفان نوح جیسے سیلاب کا حادثہ بہت پہلے اٹھا چکی تھی۔

۱۷۔ گنگا اور جمنا کا راجپوتانہ میں بہنے کا ثبوت۔ کیا یہ ثمود کا وطن تھا۔ کیا سندھ کی قوم سمہ ثمود کی یادگار ہے۔

جنرل کننگھم کو قدیم ہندو روایات پر پورا عبور تھا۔ ان کا راجہ سالی واہن کے قبیلہ کے مسکن کو بیکانیر اور جیسلمیر کے راجپوتانہ کے صحرا میں بتانا خالی از وجہ نہیں ہوگا۔ ماہرین جیالوجی کی رائے ہے کہ گنگا اور جمنا کے مخارج از کوہ کی تنگیوں کا رخ جنوب مغرب کی طرف بحیرہ عرب کی جانب ہے حالانکہ یہ دونوں دریا اب جنوب مشرق کی طرف بہہ کر خلیج بنگال میں جا گرتے ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کہ طوفان نوح کے وقت یا اس کے بعد کسی زلزلہ کے حادثے کے نتیجے کے طور پہ یہ اپنا رخ بحیرہ عرب کی طرف موڑ گئے اور راجپوتانہ کا مشہور صحرا جو قوم ثمود (سمہ قوم) کا شاداب اور آباد علاقہ تھا ویران ہو گیا۔

۱۸۔ چناب اور سندھ نے کب جنوب سے مغرب کو رخ بدلا اور کیوں بدلا؟

اغلب ہے کہ شمالاً جنوباً فورٹ مروٹ تک۔ چلنے والے جہلم اور چناب اور ڈیرہ اور تک چلنے والے دریائے سندھ نے بھی اس وقت اسی حادثہ سے جنوب سے غرب کی طرف ہٹنا شروع کر دیا۔ میری رائے میں اس وقت راوی اور بیاس بٹالہ کے قریب مل کر ایک ساتھ ہڈیارا نالہ میں لاہور اور قصور کے درمیان بہتے تھے۔ اسی زلزلہ کے نتیجہ میں راوی بٹالہ کے اوپر شمال کی طرف مڑ گیا۔ ساقی نالہ اس کی یادگار ہے۔ بیاس جو بٹالہ کے اوپر ہے جنوب کی طرف مڑ آیا۔ بٹالہ پہ مرکوز روہی نالہ اور پٹی نالہ اس کی چھوڑی ہوئی یادگاریں ہیں۔ وادی کانگڑہ اب تک بھی زلزلوں کیلئے

Scanned by CamScanner

مشہور ہے۔ ورنہ بیاس کے جنوب میں ساقی، ہڑیارا، روہی اور بیٹی کا وجود ناقابل فہم ہے۔ کیونکہ ہمالیہ کا دامن تو بیاس کے اس پار شرق میں ہے۔ جہاں سے پہاڑی نالے نکل سکتے ہیں۔ جیسا کہ موجودہ دوآبہ بست جالندھر اور دوآبہ رچنا میں نکلتے ہیں۔ میرے نظریہ کی دوسری تصدیق بھی قابل غور ہے۔ کہ ساقی، ہڑیارا، روہی اور بیٹی نالے تمام بٹالہ سے شروع ہوتے ہیں۔ غالباً رگ وید کی تیسری منڈل کے بھجن نمبر ۳۳ میں راوی اور بیاس کے بٹالہ پر اتصال کا ذکر ہے جس کے نیچے رشی وشوامتر نے اپنی رتھ دریا کے آرپار گذارا۔ یہ علامت ہے اِس بات کی کہ یہ دونوں ملنے والے دریا اپنا جزوی پانی شمال اور جنوب کی طرف لے جانے لگ گئے تھے۔ اصل دریا میں پانی کم ہو گیا تھا (کلکتہ ریویو جولائی ۷۴ء ۱۸ صفحہ ۴ صحرائے ہند کا گمشدہ دریا) ان دونوں کے چھوڑے ہوئے دریائی راستے بارشوں کے پانی کے نکاس کا راستہ بن کر آہستہ آہستہ مٹی سے بھر کر تنگ ہوگئے۔

اب سوال یہ ہوگا کہ دریا تو جنوب سے شمال کی طرف جاتے رہے ہیں جیسے کہ راوی بھی بیاس کو چھوڑ کر شمال کو چلا گیا۔ بیاس کیوں ہڑیارا کو چھوڑ کر جنوب کی طرف روہی اور بیٹی میں آتا رہا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ بیاس کی کانگڑا وادی کے گردو نواح میں زلزلہ کے باعث تصور کیجئے کہ پوری لمبائی میں اور بہاول نگر سے ساہی وال کے قریب تک پانچ ہزار سال پہلے پوری زمین دھنس گئی تھی اس وقت کے فورٹ مروٹ پہنچنے والے شمالاً جنوباً جہلم اور چناب کی اور ادھر مغرب میں ڈیرہ اور تک پہنچنے والے شمالاً

جنوباً دریائے سندھ کی اسی نشیب میں لہریں ٹوٹ گئیں۔ اور وہ یہیں رُک گئے۔ اور اسی نشیب کو پُر کر کے غرب کی طرف ملتان کہروڑ اور اوچ کی طرف بہنے لگے اور بیاس بھی اسی میں پڑ کر ان کے ساتھ بہنے لگا۔ اور آہستہ آہستہ شمال سے جنوب کی طرف ہٹتا گیا

۱۹۔ رام چندر جی کے تیر کا ہمالیہ میں زلزلہ پیدا کرنے کی کہانی

رامائن میں ایک روایت بیان کی گئی ہے۔ کہ ایک دفعہ رام چندر جی نے اپنا تیر چڑھا کر سمندر کی طرف اپنی کمان کش لی تھی جو اس کو راستہ نہیں دیتا تھا۔ مگر سمندر کی منت سماجت پر جنوب میں سمندر کی بجائے شمال کے رُخ پہاڑوں کی طرف اپنا تیر چلا دیا کیونکہ وہاں دیو رہتے تھے جنہوں نے تمام علاقہ کو ستایا ہوا تھا۔ اس دن سے ان پہاڑوں سے نکلنے والے دریا نے رُخ پھیر لیا اور اس کا مسروبہ علاقہ صحرا بن گیا۔

اسی ضمن میں بنگال کے لیفٹننٹ گورنر نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں رائے ظاہر کی تھی کہ یہ غالباً دریائے جمنا کا ذکر تھا جو کسی زلزلے کے حادثے کی وجہ سے مغرب سے مشرق کی طرف مُڑ گیا تھا اور بہاولپور کا چولستان چھوڑ گیا تھا (صحرائے ہند کا گم شدہ دریا نیر جیس کی تنقید کلکتہ ریویو اپریل ۱۸۷۵ء) میری رائے میں یہ ذکر جہلم اور چناب راوی اور بیاس اور ستلج کے بیک وقت مُڑ جانے کا ہے۔ روپڑ سے لیکر جموں تک کوہ ہمالیہ کے اندر ستلج، بیاس، راوی اور چناب کے برفانی مخارج آب یکجا جمع ہو گئے۔ ستلج گو خود تبت سے جھیل مانسرور سے نکلتا ہے مگر اس کا بڑا معاون دریائے سپتی بھارت کے ہماچل پردیش سے نکلتا ہے۔

چناب کے دو بڑے معاون دریائے چندرا اور دریائے بھاگا بھی اسی علاقہ سے نکلتے ہیں۔ راوی اور بیاس بھی اسی قرب و جوار سے نکل رہے ہیں غالباً ان عظیم برفانی چوٹیوں کے اجتماع سے اس علاقہ کوہ ہمالیہ میں زلزلے آتے ہیں۔ بیاس کی کانگڑا وادی اس کے درمیان میں ہے جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو توازن کی میخیں بنا دیا ہے

قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ رام چندر جی کو سمندر تک نہ پہنچنے کی شکایت تھی۔ غالباً وہ سال دریاؤں میں خشک آبی کا تھا۔ پہاڑوں پر برف زیادہ جمع ہو گئی تھی۔ درجۂ حرارت کم ہو گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں برف کم پگھلی پاک پتن جس کو اجودھن بھی لکھتے ہیں۔ رام چندر جی کے وقت کا اجودھیا تھا۔ اور دریائے چناب کے شرقی کنارے پر آریہ دیش میں تھا۔ اسی دریا میں پانی کی کمی تھی۔ رام چندر جی اس میں کشتی کا سفر نہیں کر سکتے تھے، سکندر اعظم بھی اسی وجہ سے واپس دریائے جہلم پر آیا تھا۔ کیونکہ جہلم کا سردیوں کا پانی چناب سے زیادہ ہوتا ہے۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ توازن بگڑنے سے ہماچل پردیش میں شدید زلزلہ آیا اور کانگڑہ سے لے کر ملتان کہروڑ اور اوچ تک چناب اور سندھ کے آرپار دراڑ پڑ گئی اور زمین بیٹھ گئی۔ پہاڑوں پر برف زیادہ ہو جائے یا پہاڑوں کے نیچے سے قدرتی گیس کے ذخیروں کو توازن کی حد سے زیادہ نکال دیا جائے تو زلزلوں کا آنا قرآن کریم کے مطابق قدرتی بات ہے۔ جیسا کہ آجکل کوئٹہ کے پہاڑوں میں سوئی گیس کے نکلنے سے ہو رہا ہے۔

۲۰۔ سُورت دیس اور سیوستان کا تاریخی اور جغرافیائی ثبُوت

جنرل کننگھم نے اپنی کتاب ہندوستان کے قدیم جغرافیہ کے صفحہ ۲۱۷ پر لکھا ہے کہ یونانی جغرافیہ دان پلینی نے سکندر اعظم کے فتوحات کا اختتام دریائے بیاس کے کنارے سندراکاز میں بتایا ہے۔ جنرل کننگھم لکھتا ہے کہ پاک پتن کا علاقہ ضلع ساہیوال میں آج تک سُورت دیس کہلاتا ہے۔ اس کا قدیم نام اجودھیا تھا۔ "سود" کا لفظ انڈو آریائی لفظ ہے اس کا اطلاق اس علاقے پر ہوتا ہے۔ جہاں نشیبی ڈھورے، جھیلیں، دلدلیں، پانی سے بھرے ہوئے بوڈھ ہوں، اسی لفظ سے مشتق دریائے نربدا کے کنارے کا سُورت بھارت کا صوبہ ثوراشٹر ہے۔ جو صوبۂ گجرات کے نام سے پہلے مشہور تھا۔ اور ہمارے صوبہ سندھ کا ہمسایہ ہے۔ اگر ہم دور چلے جائیں تو اسی لفظ "سود" سے یورپ کے مشہور ملک سویڈن بنا ہے۔ اسی لفظ سے رُوس کا یورپی ہمسایہ ملک فینلنڈ کا قدیم نام "سومی" پڑا جس پر وہ فخر کرتے ہیں۔ (نیشنل جوگرافک میگزین واشنگٹن مئی ۱۹۶۸ء صفحہ ۵۹۷)

بظاہراً تو خفیف سی تصدیق معلوم ہوتی ہے لیکن تاریخ کے سراغ اسی طرح تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ چچ نامہ میں بیان کردہ صوبہ سیوستان جس کے حدود اس طرح سے دی گئی ہیں کہ وہ بہاولپور ضلع کے شہر احمد پور شرقیہ سے لے کر صوبہ سندھ کے سیہوان شریف تک جھیل منچھر کے کنارے ختم ہوتا ہے۔ چچ نامہ (سندھی ادبی بورڈ کے صفحہ ۱۹ پر درج

Scanned by CamScanner

رائے چچ کا دوسرا حکمران سیوستان کے مرکزی شہر میں تھا۔ اور بدھیہ جنگاں روجھان اور پائیہ کوہ سے لے کر مکران تک کا علاقہ اس کے حوالے تھا۔ روجھان آج بھی رحیم یار خان کے ضلعی صدر مقام کے عین سامنے دریائے سندھ کے دوسرے کنارے ضلع ڈیرہ غازی خان میں واقع ہے۔ کشمور اور سوئی گیس کے شہر اس سے تیس میل غرب میں ہیں۔

انگریزی تاریخ سندھ حصہ اول (سندھی ادبی بورڈ) نے اس علاقہ کو سندھ ڈھورو کہا ہے اس سے آگے جیکب آباد اور سہوان کے درمیانی علاقے کو سندھ ہالو کہا گیا ہے۔ جس کے معنی نشیبی علاقے کے ہیں۔ ان میں آج بھی جھیل منچھر اور دوسری ڈھنڈیں موجود ہیں۔ غالباً پاکپتن سے ملتان اوچ اور سہوان تک کا علاقہ زلزلے کی وجہ سے نشیب ہو گیا تھا۔ میری رائے میں رگ وید کی بیان کردہ جھیل کریونت اسی سورت دیس میں تھی۔ جسمیں کشمیر کی جھیل ڈلر سے نکلنے والا دریائے جہلم آپڑتا تھا (مغربی پاکستان کی تاریخ رشید اختر ندوی صفحہ ۲۶۱) مشرقی علاقے کو سورت دیس اور غربی علاقے کو سیوستان کہتے تھے۔ اس کی مزید تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ روجھان کے آگے دریائے سندھ کے دائیں کنارے سے کشمور سے لے کر سکھر کے اوپر تک پانچ قدیم دریائی راستے پڑے ہوئے ہیں جو جیکب آباد تک غرب کے رخ چل کر پھر جنوب کے رخ جھیل منچھر کی طرف مڑ جاتے ہیں۔ یہ تمام راستے موہنجو دارو کے شمال مغرب میں رہ جاتے ہیں اور گڑھی خیرو کے گرد و پیش

Scanned by CamScanner

ہیں مرکوز ہو کر جھیل منچھر میں جا پڑتے ہیں۔ گڈو بیراج اور سکھر بیراج کی بڑی نہری شاخیں انہی دریائی راستوں کے رُخ اور سطح کے انداز پر تعمیر کی گئی ہیں۔ اور دلچسپی کی بات یہ ہے کہ یہ تمام نہریں اپنے بائیں کنارے کی طرف صرف سیرابی کر سکتی ہیں کیونکہ یہ سبی اور کچھی کے دامنی سلامی پر ہیں یونانی جغرافیہ دان بطلیموس نے ۱۵۰ء کے بنائے ہوئے نقشے میں دریائے سندھ کے دائیں کنارے سے ایک شاخ مغرب کی طرف جاتی ہوئی دکھائی ہے۔ جو غالباً سندھ ڈھورو اور سندھ حالو میں جا پڑتی تھی۔ جس کے پانچ نشان اب بھی موجود ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

اس امر کی مزید تفصیل سکندر اعظم، ہیون سانگ اور محمد بن قاسم کے تذکروں میں نیچے عرض کی جائے گی

۲۱۔ گنگا اور جمنا کا بحیرہ عرب سے بحیرہ بنگال میں مڑ جانے کا مزید جغرافیائی ثبوت

گنگا اور جمنا کے شرق میں مڑ جانے کا جغرافیائی ثبوت اور بھی ہے کہ کوہ اراولی سے لیکر پاکستان اور بھارت کی موجودہ حد تک برطویل صحرا جنوب سے شمال کی طرف ڈھلوان میں ہے اس لئے بھارت کی راجستھان کینال شرق سے غرب کو جاتے ہوئے صرف شمال کی طرف سیرابی کر سکے گی دامن کوہ کے ڈھلوانوں پر ہمیشہ ڈھلوان کے رُخ پر چھوٹے بڑے

Scanned by CamScanner

بارانی یا مستقل دریا بہتے ہیں۔ جیسا کہ کوہ سلیمان اور کوہ ہمالیہ کے دامنوں پر بہتے ہیں۔ اس ڈھلوان پر صرف کوہ اراولی کے ساتھ ساتھ شرقاً غرباً دریائے لونی بہتا ہے جو اجمیر شریف سے نکل کر رن کچھ میں یعنی بحیرۂ عرب کی خلیج کچھ میں جا پڑتا ہے یہ ثبوت ہے کہ پانچ ہزار سال پہلے جمنا اور گنگا علیحدہ علیحدہ یا ملکر راجپوتانہ کے صحرا میں جنوب مغرب کے رخ چل کر کوہ اراولی سے آنے والے اپنے معاون دریائے لونی کو لے کر کاٹھیاواڑ کے شرق میں گذر کر خلیج کھمبایت میں جا پڑتے تھے۔ ہندو روایتوں میں اسی کاٹھیاواڑ کے مشہور مقام سومنات کے قریب کے دو چشموں کے نام گنگا اور جمنا ہیں (آئین اکبری) بھارت کی راجستان کینال سے شمالی طرف ایک نیوی گیشن کینال کی تجویز بھارت نے منظور کی ہے جو ہمارے ضلع رحیم یار خان کے اسلام گڑھ کے سامنے بھارت کے ضلع جیسلمیر کی شرقی حد پر دریائے لونی کے ایک شمالاً جنوباً چلنے والے معاون میں جا پڑیگی اور پھر دریائے لونی کو ساتھ لیتی ہوئی کاٹھیاواڑ کے شرق میں گذر کر خلیج کھمبائت کے شمالی کنارے والی کانڈلا بندرگاہ تک کشتیاں لے جائے گی جو مشرقی پاکستان کے ہری کے پتن سے چلا کریں گی۔ قدرت کا کرشمہ وادی سندھ کا تجارتی شہر رنگ پور کاٹھیاواڑ کی اسی بندرگاہ کے قریب تھا یاد رہے کہ ہریانہ صوبہ کی سطح کے کنٹور لیول بتاتے ہیں کہ سات سو پچاس کا لیول دریائے جمنا کے کنارے دہلی سے شروع ہو کر غرب کی طرف

Scanned by CamScanner

گولائی بنا کر ہری کے پتن پر ستلج کے کنارے آجاتا ہے۔ اس امر سے ظاہر ہے
کہ کسی زمانے میں جمنا اسی رُخ پر بہتا ہوگا اور اب بھی اگر چاہیں تو ستلج کے
ہری کے پتن سے نہر نکالنے کی بجائے راجستھان کینال دہلی کے پاس سے
نکل سکتی تھی، اور جو راستہ جیسلمیر کے شرق پر نیوی گیشن کینال لے جائے گی
وہ جمنا کا قدیم راستہ تھا۔ ایک اور امر باعث دلچسپی ہوگا کہ میرے اس تذکرہ
کی رو سے انسانی تہذیب کے پانچ گہوارے دنیا میں یکے بعد دیگرے رہے
ہیں اور ایک تہذیب کا دریا جب سمندر میں پڑتا تھا وہاں ایک جزیرہ
ہوتا تھا یا بن جاتا تھا۔ دریائے گنگا اور جمنا بحیرہ عرب میں پڑتے تھے وہاں
کاٹھیاواڑ جزیرہ بنا یہ دریا کے راستے پہنچنے والی مٹی کی برکت تھی۔ بالآخر
یہ جزیرہ ساحل سے مل گیا۔ دریائے سندھ کے دہانے پر کچھ کا جزیرہ بنا
دجلہ اور فرات کے دہانے پر کویت بنا۔ یمن کے پہاڑوں سے بہنے والے
دریائے حضر موت کا رُخ ازمنہ قدیم میں رب الخالی کے ریگستان کے راستے
قطر کے جزیرے کی طرف تھا۔ غالباً اس وقت جب گنگا اور جمنا بحیرہ عرب
سے بحیرہ بنگال کی طرف مڑ گئے۔ دریائے حضر موت خلیج فارس سے مڑ کر خلیج
عدن میں آپڑا۔ (رائل جیوگرافیکل جرنل۔ لندن) ہیروڈوٹس یونانی کے مطابق
بحیرہ روم اور بحیرہ قلزم قدیم ترین زمانے میں اسی راستے ملے ہوئے تھے
جہاں نہر سویز اب چل رہی ہے۔ موسیٰؑ کے وقت میں بحیرہ روم قنطارہ
کے قریب نہر سویز کی درمیانی کھاری جھیلوں تک موجود تھا۔ غالباً دریائے
نیل نے اس آبنائے کو مٹی سے بھر کر ایشیا کو افریقہ سے ملا دیا۔ دریائے

Scanned by CamScanner

دجلہ اور فرات بھی قدیم ترین زمانہ میں پہاڑی علاقہ سے نکل کر بغداد کے شمال میں علیحدہ علیحدہ سمندر میں آپڑتے تھے۔ یعنی خلیج فارس اس وقت بغداد کے شمال تک تھی جو بعد میں بھر گئی۔ کھمبات کے ک کچھ کے ک کویت کے قطر کے ق اور قنطارہ کے ق سے ان تمام جزائر کے نام کے آغاز کی مشابہت قابل ملاحظہ و قابل غور ہے۔ رگ وید میں بھی ایک جھیل کریونت کا ذکر ہے اور یونانی جغرافیہ دان پٹالمے نے اپنے نقشہ وادی سندھ میں بھی ایک جھیل کریتی کا نشان دیا ہے جس سے ایک دریا نکل کر انڈس کے مغربی کنارے آپڑتا ہے ان کا ک بھی قابلِ ملاحظہ ہے۔ اس سنگھم کے قریب نیچے آرسٹو بوتھرا کا شہر دکھایا گیا ہے۔ اور اس سے اوپر بدریہ کا شہر ہے۔ آرسٹو بوتھرا غالباً جٹ کا کہانیوں کا ارتھ پڑا ہے۔ اور بدریہ غالباً چچ نامہ کا بدھیہ ہے جس کا ذکر آگے چل کر عرض ہوگا۔ غالباً قوم ثمودؑ کا کچھ حصہ تو عاد کی جگہ وادی سندھ میں چلا گیا۔ اور کچھ کاٹھیا واڑ کے راستے پار سامنے عدن اور یمن میں ہجرت کر گیا۔ کوہِ سلیمان کے دامن والی قوم عاد عراق کی طرف ہجرت کر گئی۔ محققین تفسیر و تاریخ کو قرآن کے اس ارشاد پر نظر رکھنی پڑے گی کہ قوم عادؑ کو قوم نوحؑ کی وراثت ملی تھی اور قوم ثمود کو قوم عاد کی وراثت ملی تھی یہ الفاظ ہودؑ اور صالحؑ کی زبانی فرمائے گئے ہیں۔

باب پنجم

سومیری قوم کا وادئ سندھ سے ہجرت کا ثبوت

۲۲۔ انگریز کی طرزِ جہانبانی میں دروغ مصلحت بیں اہم جزو تھا

عراق کی طرف ہجرت کا ثبوت جو میں عرض کرنے لگا ہوں "سرائیکی زبان کے وطن کی پانچہزار سال پہلے کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے باعثِ حیرت بھی ہوگا اور وجہ اطمینان بھی" وادئ سندھ کی یعنی سرائیکی کے وطن کی تاریخ میں یہ ایک کلیدی ثبوت ہے۔ انگریز پر یہ عقدہ وادئ سندھ میں سرجان مارشل کی تحقیق سے اور عراق میں سرلیونارڈ وولی کی کھدائی سے ۱۹۲۳ء میں پوری طرح کھل چکا تھا۔ مگر انگریز کی مصلحت بیں عادت تھی کہ وہ اپنی محکوم قوم کے ساتھ عدل و انصاف تو کرتا تھا مگر اس کو اس کی عظمت دیرینہ کے قصے نہیں سنایا کرتا

Scanned by CamScanner

تھا۔ بلکہ چھپا رکھتا تھا۔ تاکہ اس قوم میں آزاد قوم بننے کی خواہش جلد نہ اُبھر آئے۔ یہ طرزِ عمل اس نے پچھلی صدی (انیسوی صدی) کے چھٹے عشرہ سے اختیار کر رکھا تھا۔ تین اہم واقعات دنیا کے تین اہم علاقوں میں وقوع پذیر ہونے والے اس طرز عمل کی بنیاد بنے۔ دنیا کی سفید اقوام نے مل کر اس طرزِ عمل کی جو دروغِ مصلحت بینی پر مبنی تھا۔ داغ بیل ڈالی۔ چین کے عظیم ملک میں باکسر کا واقعہ رونما ہوا۔ جس کا سفید قوموں نے باکسر بغاوت نام رکھا۔ زرد قوم نے کروٹ لی ہندوستان کی بھوری قوم کے ہندو اور مسلمانوں نے آزادی کا علم ۱۸۵۷ء میں بلند کیا۔ سفید قوموں نے اس کا نام ہندوستانی غدر رکھا۔ سفید اقوام کے نئے گڑھ امریکہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے سیاہ فام حبشی مظلوموں نے غلامی سے نجات پائی۔ ابراہیم لنکن نے ایک بار پھر سنتِ ابراہیم کی توثیق کی کہ انسان کالا یا گورا جہاں چاہے جا کر آزاد رہ سکتا ہے کیونکہ ہر ملک میں اس کے خالق کی عملداری ہے۔ سفید قوموں نے ایک مفروضہ کا دنیا میں اعلان کیا۔ وسط ایشیا کی ایک آریہ قوم کی ہجرت کی من گھڑت کہانی بنائی اعلان کیا کہ ہندوستان کی ہزار سال کی محکوم ہندو قوم ایرانی قوم۔ جرمن قوم اور یورپ کی دوسری سفید اقوام اسی آریہ قوم کی اولاد تھے۔

۲۳۔ آریہ قوم کا مفروضہ سفید قوم کا سفید جھوٹ ہے۔

ایران کی عظمت دیرینہ قدیم تر از قدامت وادیٔ سندھ ہونے کا نظریہ اور ہندو رگ وید کے ایک نام نہاد آریہ قوم کی وادیٔ سندھ میں آمد اور

Scanned by CamScanner

عروج کا تذکرہ ہونے کا عقیدہ دراصل اسی نسخۂ کذب کے دو اجزاء ہیں انگریز کی طرزِ جہاں بانی میں دروغِ مصلحت بیں ایک اہم جزو تھا۔ نام نہاد آریہ قوم کی آمد کے راستے اور ان کے اجزائے پس ماندہ کے وجود کا ثبوت اس نے ایران اور برصغیر میں پیدا کر لیا اس نے ایک آریہ نسل اور ماورا لسنہ ایک انڈو یورپین آریائی زبان کے تخیل کی تخلیق کا اہتمام کر لیا۔ زرد اور سفید، بھورے اور سیاہ قوموں میں فوقیتِ بشری سفید کو عطا ہوئی اور سفید اقوام میں تمدنی فوقیت اسی آریہ نسل کو عطا کی جو پاکیزگیٔ نسل کی دعویدار ہوئی۔ اسی ایک نسخۂ کذب سے ہندو آریاؤں اور ان کی جمود پذیر زبان سنسکرت کے ڈانڈے از ہند تا یوروپ و امریکہ مل گئے۔ اسی ضمن میں شہنشاہ ایران آریہ مہر (آریہ قوم کا آفتاب) کہلایا۔

قدرت کی کرشمہ سازی ملاحظہ ہو۔ اسی ما فوق العالم آریہ نسل کے وجود کے پُر فتنہ نظریہ کا حامل ایک فرانسیسی تھا جو کلیسائے رُوم کے پیرو مُلوکیت کے تضحیک کنندہ، مساوات کے حامی والٹیئر اور رُوسو کے وطن انقلابی فرانس کا باشندہ تھا۔ جس کا نام گوبینو تھا اور جو فرانس کے یوم آزادی باسٹیل ڈے کے روز پیدا ہوا تھا۔ اس نے انقلاب فرانس کے تقریباً ایک سو سال بعد انیسویں صدی کے عشرہ ساد س میں اس نظریہ کی بنیاد ڈالی (ہسٹری ٹوڈے لندن) اس تحریک کے ایک انگریز پیرو چیمبرلین نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ عیسیٰؑ خود بھی آریائی تھے۔ کیونکہ وہ ایک

Scanned by CamScanner

عبرانی حرف کی صحیح ادائیگی نہ کر سکتے تھے جس طرح سامی نسل یہود کر سکتے تھے جب اس مسخرے انگریز نے برلن میں انتقال کیا تو ہٹلر اس کے جنازے میں شامل ہوا

سفید قوم کی اس بوالعجبی کا انجام تقریباً سو سال بعد پاکیزگی اور برتری نسل کے علم بردار ہٹلر کی جہاں سوزی پر ظاہر ہوا۔ اور مصلحت میں انگریز خود بھی منتقم حقیقی کی کارسازی سے اپنے دور افتادہ جزیرۃ الوطن میں محصور ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اور وادی سندھ سرائیکی زبان کے وطن کو نوخیز پاکستان کے مغربی بازو کی حیثیت سے اپنی عظمتِ دیرینہ کے احیاء کا از سر نو فرض عطا ہوا۔

۲۴۔ رگ وید کی کہانی طاسِ سندھ کے دو طبقوں پنجابی اور سندھی میں اقتصادی جنگ کے قصے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ ہروادی دریا کے اندر مخارج آب والے پہاڑوں میں اور اس کے دامنوں کے جنگلوں میں آریہ لوگ رہتے ہیں۔ "آریا" سنسکرت میں جنگل کے باسیوں کو کہتے ہیں۔ عربی لفظ عرین بامعنی جنگل سے مشتق ہے۔ عیسائی سفید اقوام یہ حقیقت بھی چھپانا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے قرآن کریم کی زبان عربی دراصل تمام زبانوں کی ماں تھی۔ (عربی۔ تمام زبانوں کا ماخذ۔ محمد مظہر۔ ربوہ) عیسائی سفید اقوام نے ایک

Scanned by CamScanner

ہی وار ہیں دوشکار مار لئے۔ قرآن کریم میں ذوالقرنین کا قصہ میرے اس نظریہ کی تائید ہے کہ ہر وادی کے زرخیز علاقوں کے خوشحال باشندوں کو اپنے ہی وادی کے پہاڑوں کے جنگلوں میں رہنے والے مفلس اور بدحال مگر تنومند اور جفاکش باشندوں سے خطرہ رہتا تھا۔ آج بھی بھارت کے میزو اور ناگا، نیپال کے گورکھا اور پاکستان کے پٹھان اور بلوچ وادی میں رہنے والوں کا سر درد ہی بنے رہتے ہیں۔ پانچ ہزار سال پہلے رگ وید کے بیان کردہ آریہ اور داسیو آج کے پنجابی اور سندھی تھے۔ پنجاب کی نظر ہمیشہ پانچ ہزار سال سے اب تک دریائے سندھ کے زرخیز علاقوں کی زمینوں پر رہی۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ قدرت نے ہر وادی دریا کو بامتیاز، ہیئت سطح و معیار فراز اور نشیب و بایں وجوہ بامتیاز مواسم مختلف وضع و رنگ مخلوق سے آباد اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے پُر ایک مجتمع وحدت تخلیق کیا۔ چرخ نیلگوں تلے ضوباری آفتاب سے درخشاں، فلک شگاف برفانی چوٹیوں سے بہہ کر آتے والے دریاؤں کو پہلے سربلند سایہ فگن اشجار سے پُر وادیوں سے خراماں گزرا۔ پھر زرخیز رنگا رنگ سیاہ و سُرخ لق و دق میدانوں سے لائی اور بالآخر انہیں ساحل سمندر پر منتہی کر دیا۔ از ابتدا تا انتہا کنار دریا ہی بنی آدم کے لیے تسخیر ارض و سما کی حدود جد و جہد کے اندر گوناگوں وسائل رزق دے کر بامتیاز مستفید از لذق باافراط و محروم از ازق مکتفی مخلوق میں تقسیم کر دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ بنی آدم نے ہر وادی دریا میں اسی راستے از فراز کوہ تا نشیب سمندر

Scanned by CamScanner

ارتقائے علم و تدبر و تمدن کی تکمیل کی قرآن کریم نے سورہ طٰہٰ آیات ۱۱۸، ۱۱۹
میں "حالانکہ اب تمہیں یہ بات حاصل ہے کہ اس جنت میں نہ بھوکے رہتے ہو
اور نہ ننگے اور نہ کبھی اس میں پیاسے رہتے ہو۔ اور نہ دھوپ کھائے
ہو" کہکر فرازِ کوہ پر گھنے سائے فگن ثمردار اشجار تلے خراماں بہنے والی
ندیوں کے کنارے کمر تک اونچے گندم اور جو کے گھاس میں بنی آدم کے ابتدائی
مسکن ہونے کی تصدیق کی ہے۔ واضح ہو کہ ایک ہی وادی دریا میں فرازِ کوہ
پر جنگلوں میں ساکن نکھرے رنگ والے آریہ (پنجابی) اور تپتے ہوئے میدانوں
میں رہنے بسنے والے داسیو (سندھی بموجب رگ وید) ایک ہی ملک کے
مختلف الرنگ و شکل باشندے تھے۔ وسائل رزق کے حصول کی خاطر
(محروم از رزق مکتفی اور مستفید از رزق با افراد کے درمیان پیکار کے
قصے ہندوؤں کے رگ وید اور ایران کے شاہنامہ نے منظوم کیے۔

سواحلِ سمندر پر مجمع البحرین تے اُزووادی تا وادی دیگر متلاشیٔ رزق
انسان کے لیے مدخل اور مخرج کے راستے مہیا کر دیئے۔ تاریخ بنی آدم
دراصل تاریخ جستجوئے آب و اراضی ہی رہی" حضرت ابراہیمؑ کے قصے
میں قرآنِ کریم نے بنی آدم کو سنتِ ابراہیمی پر قائم ہو کر متلاشی رزق ہونے
کی آخری ہدایت فرمائی۔ بالآخر یہ سلسلہ تلاش رزق مدارِ ارضی کے گرد مجمع البحرین
کے راستے امریکہ کے ساحل پر ختم ہوا۔ انسان کی تطراب خلا کے پار
سمٰوٰت پر مرکوز ہے۔ ابراہیمؑ کی سنت تلاشِ رزق ہنوز جاری ہے۔ صفا
اور مروا کے درمیان حکم سعی یکے از مناسکِ حج بی بی ہاجرہ کی حضرت اسماعیلؑ

Scanned by CamScanner

کی خاطر جستجوئے آب کی یادگار ہے۔

۲۵۔ کیا ابراہیمؑ کے مفروضہ وطن کلدانی اُر کا معبد زگاروت دریائے ناری اور دریائے ژوب کے مخارج آب پر کوئٹہ ڈویژن کے سبی (سوی) ضلع میں جونیپر درختوں کے گھنے جنگلوں میں واقع زیارت کی یادگار ہے۔ زگاروت اور زیارت کی صوتی مشابہت اس کی ایک شہادت ہے

سر لیونارڈ وولی نے اس صدی کے عشرۂ سوئم میں فرات کے کنارے ابراہیمؑ کے مفروضہ پیدائشی وطن اُر میں کھدائی کرتے ہوئے تاریخ انسانیت کے متعلق دو اہم انکشاف کیے۔ اسی شہر کی قدیم زیر زمین تہوں اور زمین کے اوپر کھنڈرات کے درمیان ایک آٹھ فٹ گہری سیلابی مٹی کی تہہ دریافت کی جو اس شہر کے مختلف حصوں میں ایک ہی سطح پر آٹھ فٹ گہرائی میں پائی گئی۔ اس کے متعلق کہہ دیا گیا ہے کہ یہ امر طوفان نوحؑ کا ثبوت ہے۔ دوسرا انکشاف ابراہیمؑ کے وقت کے معبد زگاروت کا برآمد ہونا تھا۔ اس کی تفصیل بڑے دلچسپ طریقے میں دی گئی ہے سر لیونارڈ وولی نے اپنے مقالہ اُر آف چیلڈیز (کلدانی اُر) میں اس

معبد کی تفصیل دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ سہ منزلہ معبد ایک ایسی قوم کی یادگار ہے جو کسی ملک سے نقل مکانی کر کے آئی تھی۔ جہاں فلک نیلگوں کے تلے ضوباری آفتاب سے درخشاں برفانی چوٹیوں سے بہہ آنے والی خراماں خراماں چلنے والی ندیاں گھنے سبزہ زار جنگلوں سے گذرتی تھیں انہیں فلک شگاف چوٹیوں کے نیچے گھنے سبزہ زار جنگلوں میں ان کے معبد ہوتے تھے۔ اس سہ منزلہ معبد کی ساخت اس ماحول کی یادگار تھی وادی دجلہ و فرات کے وسیع میدانوں میں برفانی پہاڑوں سے سینکڑوں کوس دور انہوں نے اینٹ اور گارے سے وہ تخیلِ عظمت معبود پیدا کرنے کی کوشش کی۔ پہلی منزل ایک بلند وسیع مربع چبوترہ تھا۔ اس پر چاروں طرف ہٹ کر کم عریض دوسری منزل کا چبوترا تھا۔ اور اس منزل پر چاروں طرف دوسری منزل کے گرد بچے ہوئے رقبہ پر گھنے درخت لگائے جاتے تھے۔ اینٹ گارے سے بنے ہوئے یہ چبوترے باہر سے پختہ مگر اندر مٹی سے بھر دیئے جاتے تھے۔ دریا کے کنارے اس معبد کے اشجار کی پرورش پانی سے ہوتی تھی۔ خود ساختہ مٹی سے بھرے ہوئے چبوترے میں نیچے جانے والے پانی کے اخراج کے لئے پختہ اینٹوں میں سوراخ اور رخنے رکھ دیئے جاتے تھے تاکہ پانی مٹی میں سے کم کم باہر خارج ہوتا رہے محقق نے مزید دریافت یہ کی کہ اس قوم نے یہ معبد طوفانِ نوح کی آٹھ فٹ نرم مٹی کے اوپر اپنے نئے تمدن کی قائمی کے بعد بنائے تھے۔ یہ قوم سومیری تھی جس نے تاریخ انسانیت سے وادی دجلہ و فرات کے متعلق ایک جواہر ریزہ پیش کیا ہے

Scanned by CamScanner

اب میں وادیٔ سندھ کے متعلق جس کو میں سرائیکی کا وطن کہہ چکا ہوں چند جواہر ریزے پیش کرونگا۔ جس کے تسلسل سے سرمیہ تار ذودلی کے آغاز تجسس کی تکمیل ہو جائے گی۔

۲۶۔ قرآن کریم اور ہندو روایات سے زگاروت کے معبودسین کا سُراغ

سرائیکی وطن کی تاریخ کی تحقیق پیچیدہ تو ہے مگر اس کے تاریخی جواہر ریزے مختلف مذہبی اور تاریخی ماخذوں اور جغرافیائی تواریخ سے دستیاب ہو جاتے ہیں ان کو مختلف ازمنہ اور ادوار میں منسلک کرنا کارِ مشکل بن جاتا ہے وادیٔ سندھ کی زبان اب تک زیرِ تحقیق ہے دستیاب شدہ مہروں کے نقوش کی بنیاد پر حال ہی میں سویڈن کے محققین نے اس زبان کی کلید کے متعلق دریافت ہو جانے کا اعلان کیا ہے ممکن ہے یہ تحقیق سرائیکی زبان کی قدامت کا ثبوت پیش کرے جیسا کہ بابل سے ملنے والی الواح کے نقوش نے ثابت کیا ہے

(تاریخ سرائیکی خاکی)

دریائے سندھ کے معاون کابل کی وادی پشاور اور وادی مردان میں دریائے سندھ کو اباسین کہنے کا رواج آج تک چلا آتا ہے۔ چترال میں کافرستان کو جانے کیلئے پگڈنڈی جس پر فانی پہاڑی ندی کے ساتھ ساتھ جاتی ہے اس کا نام بھی اباسین ہے یہ اباسین اباڈ بینیوب (فادر ڈینیوب) اور گنگا ماتا کی طرح کی یادگار ہے۔ یہ اختلافِ زوجین بھی ذہن

یں رکھیں۔ کہ وادی سندھ کے تمدن میں فوقیت خاندانی باپ کو تھی۔ جب کہ وادی پنجاب کے آریاؤں کے ہندو مت میں فوقیت ماں کو تھی۔ مہابھارت میں دروپدی نے سندھو کا ذکر کیا ہے اس سے بعض سطحی محققؔ موجودہ صوبہ سندھ کے وجود کا ثبوت لیتے ہیں جو صحیح نہیں۔ بدھ مت کی مقدس کتاب "گوتم بدھ کے مکالمے میں ایک ڈرامائیہ روایت میں ایک سرزمیں سوویرس کا ذکر ہے جس کا دارالخلافہ روروکا تھا۔ جتکا کہانیوں میں سوویراس کا دارالخلافہ دورودا بتلایا گیا ہے ان دو ناموں سے الوریا ارور کی مشابہت نمایاں ہے۔ اب دوسری دلیل پیش ہے کہ اکثر سنسکرت پرانوں میں سوویراک کو سندھو یا سن دھارا کے ساتھ اکٹھا لکھا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سندھو دراصل دریا کا نام ہے جس کا دوسرا نام سن دھارا تھا یعنی سن کا دھارا یا دریا۔ اور سوویراس اس کو اکٹھا کرنے سے مراد ہے۔ سن دھارا پر رہنے والے سوویراس (تاریخ سندھ حصہ اول لیمبرک صفحہ ۱۰۰) انیا تاریخ سندھ مصنفہ مسٹر لیمبرک کے صفحہ ۲۰۸ کے پیرا ۲ کا پورا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں ہڑپہ سے ملتان تک بسنے والے ملی قبیلہ اور ان کے ساتھ والے کشدرا کا قبیلہ کا ذکر ہے۔ محققین کی رائے میں یہ دونوں قبیلے سرائیکی وطن کے دو اہم مقامات ملتان اور اوچ کے گردونواح میں بالترتیب رہتے تھے۔

Scanned by CamScanner

۲۷۔ کیا ہندو روایات کے سن دھارا، سوویراس قرآن کریم کے بیان کردہ اصحاب الرّس تھے جو امتدادِ زمانہ سے مخفف ہو کر سوویرس اور ابھی رس ہو گئے

مسٹر لیمبرک تاریخ سندھ کے صفحہ ۲۰۸ پر رقمطراز ہیں :۔

"مہابھارت میں دی ہوئی کشتری قبائل کی فہرست میں ملی اور کشدرکا قبیلے اکھٹے یکجا کر کے بطور متحد قبیلہ کے دکھائے گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ان کا اتحاد سکندر اعظم کے وقت تک قائم رہا۔ جہاں ان کا ذکر ملی اور آکسی ڈرائیگی کہہ کر کیا گیا ہے۔ مہابھارت کی ایک دوسری طویل قبائلی فہرست میں سدراز کا نام جس سے کشدراکاز مراد ہیں: ابھی رس قبیلہ کے علاقہ کی نشاندہی دوسری صدی عیسوی میں یونانی جغرافیہ دان پٹالمے نے پٹالین (پٹالہ) کے اوپر شمال میں دریائے سندھ پر دکھائی ہے غالباً یہ سندراد یونانی مورخ ایرین کے بیان کردہ سوگدیائی ہیں جس کی ادائیگی دوسرے یونانی جغرافیہ دان ڈیوڈرس سیکوس نے سوڈریائی کہہ کر کی ہے۔ یا ممکن ہے کہ سرسوگڈیائی سنسکرت زبان کی اکثر مقدس کتابوں میں بیان کردہ سوویراس ہیں۔ جن کو انڈس یعنی دریائے سندھ کے سرکردہ قبیلہ کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے ان کو اکثر سندھو کے ساتھ اکٹھا کر کے سندھوسوویراس

کہا گیا ہے اور مہابھارت میں ان کو سیبو از قبیلہ کے ساتھ اکٹھا کر کے دکھایا گیا ہے جو غالباً یونانی مورخ سٹربو کے بیان کردہ سوئی ہیں۔ اور ترگیارڈز اور مدرکاز کے ساتھ اکٹھا دکھایا ہے۔ اسی ہندو مقدس کتاب سندھو سویراج کو کوروکشیتر کی جنگ میں نمایاں حصہ لیتے ہوئے بتلایا گیا ہے" (ختم شد)

مسٹر لیمبرک سے اس اقتباس میں ترگیارڈز قبیلے کا ذکر آیا ہے۔ ضلع ملتان میں آج تک ایک ترگڑ قبیلہ موجود ہے (ملتان گزیٹیر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۳۴ مصنفہ میکلیگن) میں نے یہ جملہ معترضہ ضلع ملتان کو ترگڑ قوم کے ضمن میں ذہن میں رکھنے کے لئے کہا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ باب دوئم کی فصل سات میں ہم نے سکندر اعظم کو بمع جیب ہسٹری ٹوڈ سے لندن، احمد پور شرقیہ کے شہر کے قریب اوچ کے مشہور مقام سے ۴ میل جانب شرق سوئی قوم سے ملنے کا ذکر کیا ہے ان تمام حوالوں کو یکجا کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سندھو سوویراس ملتان سے لے کر سبی اور سہوان تک بصورت متحد قوم کے آباد تھی۔ سندھو یا سن دھارا اس کے لئے علاقائی تخصیص کے طور پر لگایا جاتا تھا۔ اور جہاں کہیں ان کے ساتھ کسی اور قبیلے کا نام اکٹھا کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ مسٹر لیمبرک نے مہابھارت سے حوالے دیکر لکھا ہے اس سے مراد یہ ہوتی تھی کہ دریائے سندھ پر رہنے والی شورکوٹ ملتان سے سبی سہوان تک متحدہ قوم سوویراس کا..... فلاں فلاں قبیلہ تھا۔ مثال کے طور پر سیبو از (سبوئی) قوم سوویراس کا قبیلہ تصور کیا جائے گا۔ اسی طرح ترگڑ اور مدراکاز کو بھی سوویراس کے مختلف قبیلے سمجھا جائے گا۔ یہ بحث خالی از دلچسپی نہیں۔ کہ سندھو اور سن دھارا کی یادگاریں

Scanned by CamScanner

آج بھی سندھو جاٹ (ضلع ملتان) کی شکل میں اور سندھڑ قوم (ضلع بہاولپور) کی شکل میں موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اس فصل کے عنوان میں عرض کیا ہے۔

سویراس اور ابھی رس دراصل قرآن کریم کے بیان کردہ اصحاب الرس کی مخفف ادائیگی ہے۔ چچ نامہ کے بتلائے ہوئے سندھ کے حکمرانوں کے نام رائے ساہیرس اور رائے ساہسی بھی اسی قرآنی قوم اصحاب الرس کی یادگار ہیں۔ رائے ساہیرس دراصل رئیس آئیبرس اور رئیس آہسی ہیں اگر آپ آہسی اور آئیبرس کو اکٹھا کرکے پڑھیں اور رئیس آہسی آئیبرس بن جاتا ہے۔ جو دراصل صوتی مشابہت کے لحاظ سے تورات کے صحیفہ استھر کا بیان کردہ کنگ آہاسیورس ہے۔ جس کی حکومت میں انڈیا (ہندوستان شامل تھا۔ قرآن کریم نے سورۃ "ق" (آیات ۱۲) اور سورۃ فرقان" (آیات ۳۸) میں اصحاب الرس کا دو جگہ بلا تفصیل ذکر کرکے ہندو روایتوں اور تورات کے قصوں کے بیان کردہ نام کی صحت کردی اور اسی قرآن کے نزول کے ستر سال بعد محمد بن قاسم عربی نے دریائے سندھ کے کنارے سیوستان سے لے کر کشمیر کی حد تک، رئیس اصحاب الرس کی حکومت کو اس کے برہمن جانشینوں کے وقت میں فتح کرلیا (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے راقم کی تصنیف "اصحاب الرس" شائع کردہ ادارہ تحقیق بتذکرہ محلہ نقاش احمد پور شرقیہ)

۲۸۔ اصحاب الرّس کا قصہ حضرت علیؑ کی زبانی

اب میں قرآن کریم کے بیان کردہ اصحاب الرّس کی تفصیل سُنّی تفسیر روح البیان مطبوعہ استنبول (مفسر شیخ اسماعیل حنفی اور شیعہ کی عربی تفسیر صافی مطبوعہ ۱۲۸۴ ہجری ایران سے پیش کرتا ہوں۔ العیون اور علل الشرائع میں جناب امام رضاؑ سے بروایت اپنے اباؤ اجداد کے منقول ہے۔ کہ جناب امام حسینؑ نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں ان حضرت کے قتل سے تین دن پہلے بنی تمیم کے سرداروں میں سے ایک شخص جس کا نام عمرو تھا حاضر ہوا۔ اور عرض کرنے لگا کہ یا امیر المومنین مجھے اطلاع دیجئے کہ اصحاب الرّس کون تھے کس زمانے میں تھے ان کی بستیاں کہاں تھیں۔ ان کا بادشاہ کون تھا۔ اور خدا نے ان کے پاس کوئی رسول بھیجا تھا یا نہیں۔ اور وہ کس وجہ سے ہلاک کیے گئے تھے۔ کیونکہ میں کتاب اللہ میں ان کا ذکر تو پاتا ہوں مگر ان کا قصہ نہیں پاتا۔ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ تو نے مجھ سے وہ بات پوچھی ہے کہ تجھ سے پہلے مجھ سے کسی نے نہیں پوچھی اور میرے بعد کوئی اور تجھ سے یہ بات بیان بھی نہ کرے گا سوائے اس کے کہ مجھ ہی سے روایت کرے۔ اور کتاب اللہ میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جسے میں نہ جانتا ہوں اور جس کی تفسیر کو سب سے زیادہ نہ سمجھتا ہوں۔ اور میں اس سے بھی واقف ہوں کہ

Scanned by CamScanner

کس مقام پر نازل ہوئی ۔ نرم زمین میں یا سنگلاخ زمین میں اور کس وقت اتری رات میں یا دن میں اور اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں بڑا علم جمع ہے لیکن طالبانِ علم کم ہیں اور تھوڑے سے ہی عرصے بعد جب تم مجھے کھو بیٹھو گے تو بہت کچھ پچھتاؤ گے ۔ اے اخو تمیم اصحاب الرّس کا قصہ یہ ہے کہ وہ ایک قوم تھی جو صنوبر کے درخت کی پرستش کیا کرتی تھی جس کو شاہ درخت بھی کہتے ہیں ۔ اور اس کو حضرت نوحؑ کے بیٹے یافث نے ایک چشمہ کے کنارے پر لگایا تھا ۔ اس چشمہ کا نام رُوشاب تھا ۔ اور بعد طوفانِ نوحؑ یہ درخت پیدا ہوا تھا اور یہ اصحاب الرّس اس لئے مشہور ہوئے کہ انہوں نے اپنے نبی کو زندہ زمین میں دفن کر دیا تھا ۔ اور یہ واقعہ حضرت سلیمان بن داؤد کے بعد کا ہے ۔ ان کی بارہ بستیاں ایک دریا کے کنارے تھیں جس کا نام رس تھا ۔ یہ دریا بلاد مشرق میں ہے اور انہیں لوگوں کی وجہ سے اس کا نام بھی رس ہو گیا ہے ۔ اور اس زمانے میں روئے زمین پر کوئی دریا کثرتِ آب میں اور شیریں ہونے میں اس سے بڑھ کر نہ تھا ۔ اور نہ ان کی بستیوں میں زیادہ آباد بستی کوئی بستی تھی ۔ ان میں سے پہلی کا نام آبان رکھا (ممکن ہے کہ بستیوں کے دریا کے کنارے آغاز شمار سمندر کی طرف سے اس کے دہانہ سے ہوا اور آج تک دریائے سندھ کے قریب سمندر میں ایک چٹانی جزیرہ کا نام اب بھی آبان شاہ ہے) دوسری کا آذر تیسری کا دے، چوتھی کا بہمن (بہمن آباد کے قدیم کھنڈرات اب بھی سندھ میں مشہور مقام ہیں) پانچویں کا اسفندار چھٹی کا مزور دین، ساتویں کا اردی بہشت، آٹھویں کا خرداد نویں کا مرداد

دسویں کا نیر گیارہویں کا مہز بارھویں کا شہر یور۔ اس میں سب سے بڑی بستی کا نام اسفندارند تھا۔ اور اسی میں ان کا بادشاہ رہتا تھا جس کا نام ترکوز بن عابوز بن یارش بن ساذرین نمرود بن کنعان تھا۔ یہ نمرود وہی ہے جو ابراہیم کے مقابل ہوا تھا۔ اور اسی اسفندارند میں وہ چشمہ اور درخت صنوبر تھا۔ اور باقی ہر ہر بستی میں انہوں نے اسی کے چوٹی کے بیج لے کر بو لیا تھا۔ جس سے بڑے بڑے درخت پیدا ہو گئے تھے۔ اس چشمے کا اور اس سے جو نہریں نکال گئی تھیں ان سب کا پانی انہوں نے حرام قرار دے دیا تھا کہ نہ خود پیتے اور نہ اپنے جانوروں کو پینے دیتے بلکہ جو ایسا کرتا تھا اسے قتل کر ڈالتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ تو ہمارے معبودوں کی زندگی کا باعث ہے اسلیے کسی کے لئے مناسب نہیں کہ انکی زندگی کم کر دے اور خود دریائے رس سے پانی پیتے تھے جن کے کنارے ان کی آبادیاں تھیں، اور وہی اپنے چوپایوں کو پلاتے تھے۔ اور ہر سال کے ہر مہینہ میں ہر بستی میں ایک دن عید کا مقرر تھا جنمیں ان بستیوں کے لوگ جمع ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے عجمی مہینوں کے نام جنہیں ان بستیوں کے نام قرار پا گئے وہ اس درخت پر ریشمی کپڑا جس پر طرح طرح کی تصویریں کڑھی ہوئی تھیں ڈال دیتے تھے اور پھر اس درخت کے لئے بکریاں اور گائیں لا کر بھینٹ چڑھاتے تھے اور درخت کی قربانی کے لئے انکو ذبح کرتے تھے پھر سوکھی لکڑیاں لا کر آگ روشن کرتے تھے۔ (اور قربانی کا گوشت اس میں ڈال دیتے تھے۔ جب ان قربانیوں کا دھواں اور ان کے جلنے کی سڑاند ہوا میں پھیلتی اور آسمان اور ان کی نظر کے مابین حائل ہو جاتی تو وہ سب کے سب

Scanned by CamScanner

اس درخت کے لئے سجدے میں گر پڑتے تھے۔ اور رو رو کر اور گڑگڑا کر کہتے تھے "اے ہمارے معبود تو ہم سے راضی ہو جا" اور شیطان آکر اس درخت کی ٹہنیوں کو ہلاتا تھا۔ اور اس کے تنے میں سے لڑکوں کی سی آواز سے چیخ کر کہتا تھا "اے میرے بندو! میں تم سے راضی ہوں بس دل خوش رکھو اور آنکھیں ٹھنڈی" اس وقت وہ لوگ سجدے سے سر اٹھاتے اور شرابیں پیتے تھے۔ ڈھول بجاتے اور اپنے ہاتھوں میں راکھی باندھتے تھے (تصریح: راکھی دہلی کی زبان میں اس چیز کو کہتے ہیں۔ جو ہندو لوگ سلونو کے موقع پر اپنے اپنے پہنچے میں باندھ لیتے ہیں۔ دوسرے شہروں میں اور اور مقامات پر جو بھی اس کے مختلف نام ہوں) ایک شبانہ روز اس جگہ قیام کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ ایرانیوں نے اپنے مہینوں کے نام آبان اور آذر وغیرہ انہیں بستیوں کے نام پر رکھے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ لوگ آپس میں کہتے تھے کہ یہ فلاں مہینہ کی عید ہے اور یہ فلاں مہینے کی عید ہے۔ پس جب سب سے بڑی بستی (اسفندار) کی عید آتی۔ تو تمام چھوٹے بڑے جمع ہوتے۔ درخت (صنوبر) اور چشمہ کے پاس ریشمی سراپردہ نصب کرتے جس پر قسم قسم کی تصویریں کڑھی ہوئی ہوتیں اور اس سراپردہ کے بارہ دروازے ہوتے تھے۔ ہر ایک بستی والوں کے واسطے جداگانہ دروازہ قرار دیا جاتا تھا پھر وہ لوگ اس سراپردہ کے باہر سے صنوبر کے درخت کو سجدہ کرتے تھے۔ اور اس درخت کی بہ نسبت ان درختوں کے جو انکی بستیوں میں تھے کئی گنا زیادہ قربانیاں چڑھاتے تھے۔ یہاں ابلیس

Scanned by CamScanner

آتا تھا اور درخت کو بڑے زور سے ہلاتا تھا۔ اور اس کے اندر سے بآوازِ بلند ان سے باتیں کرتا تھا اور دوسرے شیطانوں سے زیادہ ان لوگوں سے وعدے بھی کرتا تھا اور امیدیں بھی دلاتا تھا۔ تب وہ لوگ خوش خوش سجدہ سے سر اٹھاتے اور خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے اور شراب کی اور باجوں کی کثرت سے بات تک نہ کر سکتے تھے (اور نہ کان پڑی آواز سنائی دیتی تھی) اور سال کی تمام عیدوں کے ہم عدد بارہ دن اور ۔۔۔ رات وہاں بسر کرتے تھے۔ پھر واپس چلے آتے تھے پس جب ان کے کفر کی مدت طولانی ہو گئی اور غیر خدا کی عبادت کرتے ہوئے ان کو ایک زمانہ گذر گیا تو خداوندِ عالم نے یہودین یعقوبؑ کی اولاد میں سے ایک نبی کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجا اور وہ مدت تک ان کو خدا کی عبادت کی طرف بلاتے رہے اور معرفت اور ربوبیتِ الٰہی کی تلقین کرتے رہے لیکن وہ لوگ پیروی نہ کرتے تھے۔ جب خدا کے نبی نے گمراہی اور ضلالت پر ان کا اصرار اور اور ہدایت و نجات کے ماننے سے انکار دیکھ لیا اور انکی بڑی بستی کی عید بھی آگئی تو نبی نے درگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ اے میرے پروردگار تیرے بندے میری تکذیب اور تیرے انکار پر اڑے ہوئے ہیں اب یہ لوگ کل کے دن درخت کی پرستش کریں گے۔ جو نہ انہیں کچھ نفع دے سکتا ہے اور نہ کچھ ضرر پہنچا سکتا ہے۔ خدایا! تو انہیں اپنی قدرت و قوت دکھا دے ان کے کُل درختوں کو خشک کر دے" جب صبح ہوئی تو انہوں نے درختوں کو سوکھا ہُوا پایا۔ اس سے وہ بہت ہی ہراساں اور نا امید ہو گئے اور ان کے

دو گروہ ہو گئے ایک فرقہ تو یہ کہتا تھا کہ اس شخص نے جو یہ گمان کرتا ہے کہ میں زمین و آسمان کے معبود کا رسول ہوں۔ تمہارے معبودوں پر اس لئے جادو کیا ہے تاکہ تمہیں تمہارے خداؤں سے برگشتہ کر کے اپنے خدا کی طرف متوجہ کرے۔ دوسرا فرقہ یہ کہتا تھا کہ یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ جب تمہارے خداؤں نے یہ دیکھا کہ یہ شخص ان کو عیب لگاتا ہے اور انکی برائیاں کرتا ہے اور تم کو ان کی عبادت سے ہٹا کر اور کی طرف بلاتا ہے۔ تو وہ تم سے ناراض ہو گئے اور ان کی رونق و خوبی تمہاری نظروں سے غائب ہو گئی تاکہ تم ان کا بدلہ لینے کے لئے اس شخص پر غضب و غصہ کرو (تو اب تم ایک دل اور ایک جان ہو کر اس کو قتل کر ڈالو) پس وہ ملاعنہ نبیٔ خدا کے قتل پر متفق ہو گئے اور سیسے کے بڑے بڑے نل چوڑے منہ کے بنائے پھر ایک نل چشمہ کی تہہ میں نصب کر دیا۔ اور اس میں نیچے اوپر اتنے نل جوڑے۔ کہ بالائی حصہ پانی کے باہر تک آ گیا۔ پھر ان لوگوں نے نلوں کے ذریعہ سے چشمے کا پانی کھینچ لیا اور اس کی تہہ میں تنگ منہ کا ایک گہرا کنواں کھودا اور اس میں اپنے نبی کو ڈال دیا۔ اور اس کے منہ پر ایک بڑا پتھر رکھ دیا۔ پھر انہوں نے اس چشمہ میں جو نل لگائے تھے وہ الگ کر لئے (کہ سارا چشمہ پانی سے بھر گیا) اور آپس میں کہنے لگے اب ہمیں امید ہے کہ ہمارے معبود ہم سے راضی ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ یہ تو انہوں نے دیکھ ہی لیا ہے۔ کہ جو ان کی برائیاں کیا کرتا تھا اور ہم کو ان کی عبادت سے روکا کرتا تھا اس کو تو ہم نے قتل کر دیا اور (ہزاروں من) مٹی کے نیچے دبا بھی دیا اب تو

بڑے معبود کو شفا ہو جائے گی ۔ اور اس کی رونق اور بہار جیسی تھی ویسی ہی پھر ہو جائے گی ۔ پس وہ لوگ تمام دن اپنے نبی کی آہ و بکا سنتے رہے کہ وہ درگاہِ خدا میں عرض کر رہے ہیں" خدایا! تو اس مقام کی تنگی اور میری بے چینی کو ملاحظہ فرما رہا ہے اب میری کمزوری اور بے چارگی پر رحم فرما اور جلدی سے میری روح قبض کر لے اور میری دعا قبول کرنے میں دیر نہ لگا۔ یہی فرماتے فرماتے اُن حضرت نے انتقال کیا۔ اس وقت خدائے تعالیٰ نے جبرئیلؑ سے فرمایا " اے جبرئیل میرے حلم نے ان بندوں کو جری بنا دیا ہے اور یہ لوگ میرے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ انہوں نے مجھے چھوڑ کر اوروں کی پرستش کی۔ میرے رسول کو قتل کیا کیا ان کا گمان یہ ہے کہ یہ میرے عذاب کو برداشت کر سکیں گے۔ اور میری سلطنت سے نکل جائیں گے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ میں ان لوگوں سے انتقام لیتا ہوں جو میری نافرمانی کرتے ہیں۔ اور میرے عذاب سے بے خوف رہتے ہیں۔ میں نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ ان پر عذاب نازل کر کے تمام خلائق کے لیے ان کو عبرت بناؤں اب میں ان کی کچھ بھی رعایت نہ کروں گا۔ پس وہ لوگ جبکہ عید منا رہے تھے ناگاہ دیکھا تیز سرخ آندھی نمودار ہوئی جسے دیکھ کر وہ سب کے سب حیران اور خوفزدہ ہو گئے اور ایکدوسرے سے لپٹنے لگے۔ پھر زمین ان کے نیچے گندھک بن کر تپنے لگی اور ایک کالے رنگ کی بدلی اُن پر چھا گئی جس سے ان لوگوں پر بھڑکتے ہوئے انگارے پڑنے لگے۔ پس ان کے بدن اسی طرح پگھل گئے

جس طرح آگ میں سیسہ گداختہ ہو جاتا ہے۔ یہانتک ارشاد فرما کر جناب امیرؑ نے فرمایا خدا کا غضب اور اس کا عذاب نازل ہونے سے ہم پناہ مانگتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر کے سوا نہ کسی میں قدرت ہے اور نہ کوئی بلاؤں کو پھیر سکتا ہے۔

تفسیر قمی میں ہے کہ جناب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں ایک عورت اپنی کنیز کو ہمراہ لئے ہوئے حاضر ہوئی۔ اور عرض کی یا ابنِ رسول اللہ کیا انجام ہو گا اس عورت کا جو عورت کے ساتھ چپٹی کھیلے۔ حضرت نے فرمایا وہ جہنم میں جائیں گی۔ روزِ قیامت وہ میدان حشر میں لائی جائیں گی آگ کی چادر اور آگ کی اوڑھنی انہیں اوڑھائی جائے گی اور آگ کے موزے انہیں پہنائے جائیں گے آگ کے ڈنڈے ان کی شرمگاہوں... اور ان کے پیٹوں میں ڈالے جائینگے اور پھر وہ عورتیں دوزخ میں گرا دی جائیں گی۔ اس نے عرض کی اس کا ذکر کتاب اللہ (قرآن مجید) میں تو نہیں ہے حضرت نے جواب دیا ضرور ہے۔ اس نے کہا کہاں ہے؟ فرمایا وَعَادًا وَّثَمُودَا۟ وَاَصۡحٰبَ الرَّسِّ۔ اصحاب الرس کی عورتیں چپٹی کھیلا کرتی تھیں۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب امام محمد باقرؑ، جناب امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ اصحاب الرس کی عورتیں چپٹی کھیلا کرتی تھیں۔

۲۹۔ اصحاب الرس کے آخری ایام کے متعلق حضرت علیؑ کی روایت پر تبصرہ۔

Scanned by CamScanner

حضرت علیؑ سے بیان کردہ اس روایت میں ایک قوم کا پتہ چلتا ہے جو ایک درخت کی پوجا کرتی تھی۔ اور وہ درخت پہاڑی چشموں سے سیراب ہوتا تھا۔ یہ قوم ایک عظیم دریا کے کنارے بارہ عظیم شہروں میں رہتی تھی کوفہ سے مشرق کی طرف دریائے سندھ تک کوئی عظیم دریا ایران میں نہیں تھا۔ سالم جزیرہ نما عرب جنوب میں رہ جاتا ہے اب رہا سوال درخت کا غالباً وہ درخت جونیپر (راجو) تھا جس کی صنوبر کے ساتھ صوتی مشابہت ہے۔ اور سینکڑوں سال ہیں اس کی اونچائی دس بیس فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جو امر اس کے تقدس اور عظمت کی شہادت ہے۔ اور جس کی کاشت زگاروت کے معبد کے چبوترے پر سہل اور مناسب تھی۔ ویسے تو یہ جھاڑی کی صورت میں کوہ ہمالیہ پر بھی ہوتا ہے۔ تبت کے لاماؤں کو اس کی لکڑی سے جلاتے ہیں جس طرح ہندوؤں کے ہاں مُردوں کو صندل کی لکڑی سے جلانا متبرک سمجھا جاتا ہے۔ دُنیا میں درخت کی صورت میں سوائے کوئٹہ اور قلات ڈویژنوں کی ہریوئی ہلز (پہاڑیوں) کے جن کے زیارت کے پہاڑ بھی ایک حصہ ہیں۔ اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ امریکہ میں ایک مقام پر ایک جونیپر کا درخت پایا گیا ہے جہاں تک وہاں کے محکمۂ سیر و سیاحت نے خاص سڑک نکالی، اور سیاحوں کو یہ قدیم ترین درخت دکھانے کے لیے لے جاتے ہیں (نیشنل جیوگرافک میگزین۔ واشنگٹن) زیارت کے اردگرد کے پہاڑوں سے جونیپر سے بھری ہوئی برفانی چوٹیوں سے شمال کی طرف ضلع ژوب کا دریائے ژوب نکل کر گل کچ کے مقام پر دریائے گومل میں

مل کر ڈیرہ اسماعیل خان اور پروا کے درمیان دریائے سندھ میں آ پڑتا ہے یہ مقام ضلع میانوالی کے بھکر اور ضلع جھنگ کے شور کوٹ کے سامنے ہے. سطح زمین کے لحاظ سے اگر دریائے سندھ درمیان میں نہ ہو. جیسے کہ ازمنہ قدیم میں پانچ ہزار سال پہلے وہ شور کوٹ کے مشرق میں بہتا تھا. تو دریائے گومل دریائے ژوب کو لے کر وہاں پر جا ملے گا۔ جیسا کہ۔۔۔ اوپر فصل ۱۵ میں عرض کیا گیا ہے۔ پانچ ہزار سال پہلے وادئ سندھ اور کوہ سلیمان کے پہاڑوں پر بارشیں کثرت سے اور سال بھر ہوتی تھیں. دریا بھر کر چلتے تھے اور دور تک پانی لے جاتے تھے۔ اسی طرح زیارت کے پہاڑوں کے دوسری طرف جنوب کی طرف سے دریائے ناری نکل کر بستی (سیبوی) کے مقام پر پہاڑوں سے نکل آتا ہے۔ ہر بوئی پہاڑیوں کے دوسرے جنوبی سرے پر قلات ڈویژن کے پہاڑوں سے جونیپر کے درختوں سے بھرے ہوئے جنگلوں کے اوپر کی برفانی چوٹیوں سے بہہ کر آنے والا دریائے بولان ڈھاڈر اور حلیم شاہ کے مقام پر پہاڑوں سے ضلع کچھی کے میدان میں نکل آتا ہے۔ یہ دونوں دریا ازمنہ قدیم میں مل کر موہنجو دارو اور سیوان کے درمیان سے گذرتے ہوئے دریائے سندھ میں جا ملتے تھے۔ دریائے گومل اور اس کے پاکستانی معاونوں پر بھی جونیپر درختوں کے جنگل پائے جاتے ہیں (دیکھئے یہ خاکہ اس لیے پیش کیا ہے تاکہ فصل ۷ میں ہندوؤں کی جتکا کہانیوں میں بیان کی ہوئی سیوی بادشاہوں کی شور کوٹ سے سیوی تک متحدہ حکومت کا جغرافیائی ثبوت مل جائے) دریائے سندھ کے شمالی معاون گومل، ژوب کے

راستے اور جنوبی مُعاون ناری بولان کے راستے زیارت کے پہاڑوں میں نیلے آسمان کے نیچے ضو باریٔ آفتاب درخشاں برفانی چوٹیوں سے سبز جونیپر کے درختوں کے ٹکلے ہوئے جھرمٹ کو یہ قوم اپنا معبود سمجھ بیٹھی۔ پانچ ہزار سال پہلے جب کسی حادثہ کی وجہ سے دریائے سندھ اور اس کے شرقی ہمالیائی معاونوں نے اپنے راستے بدلنے شروع کئے اور اس قوم کے شہر دریا بُرد ہونے لگے تو اس قوم نے مختلف سمتوں میں نقل مکانی کی اور غالباً خلیج فارس کی دوسری طرف عراق میں بھی جا پہنچے۔ تورات کے صحیفہ الیسعیاء کے باب ۱۸ میں اسی وادیٔ سندھ کی منتشر قوم کا ذکر ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :۔ " ماتم کرو اس پراگندہ اور منتشر شدہ قوم پر جس کی سرزمین کو دریاؤں نے برباد کر دیا جو سرزمین ایتھی اوپیا کے دریاؤں کے پار پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ جو اپنے مہاجر سمندر پر سرکنڈہ کی کشتیوں میں بھیجتی ہے" (ختم شد)

ہیروڈوٹس نے اپنی تاریخ میں مکران کے علاقے کے گھنگریالے بالوں والے باشندوں کو مشرقی ایتھی اوپین (مشرقی حبشی) کہا ہے اس لیئے مکران کے شرقی کی طرف تین طرف پہاڑوں سے گھری ہوئی وادیٔ سندھ ہی مراد ہے جس کے دریاؤں کے رد و بدل سے برباد شدہ علاقے آج بھی میانوالی کے تھل، بہاولپور کے چولستان، سندھ کے پٹ، اور تھر کے صحراؤں کی صورت میں غیر آباد پڑے ہوئے ہیں۔ ایک ماہر آثار قدیمہ مسٹر سٹیوارٹ پگٹ نے اپنی کتاب " قبل از تاریخ کا ہندوستان " میں لکھا ہے کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب

Scanned by CamScanner

کی ابتداء میں سرکنڈہ سے بنی ہوئی کشتیوں کا رواج تھا

اب قارئین پر یہ عیاں ہو چکا ہو گا کہ ابراہیمؑ کے آبا و اجداد کس طرح وادیٔ سندھ، سے وادیٔ عراق میں پہنچے اور سومیری کہلائے اور اسی وادیٔ سندھ سے اپنے معبد زگارت (زیارت) کا تخیل لے کر گئے

حال ہی میں نیشنل جیگرافک سوسائٹی واشنگٹن کے میگزین دسمبر ۱۹۶۶ء میں کینتھ میکلیش نے صفحہ ۳۴۷ پر لکھا ہے۔ کہ آر کے معبد زگاروت میں چاند دیوتا سین کی پرستش ہوتی تھی۔ اب قارئین نے دیکھ لیا کہ سومیری قوم اپنے وطن وادیٔ سندھ سے اپنے چندر دیوتا سین کو ساتھ لائی۔ یہ سونے کا بت تھا، پرانے وطن وادیٔ سندھ میں اپنے دریائے سندھ کو اسی لحاظ سے سین دھارا (سین کا دریا) کہتے تھے یہ نام آج بھی سرائیکی وطن میں سائیں کے لفظ میں موجود ہے۔ ابا سائیں فقیر سائیں۔ خان سائیں پیر سائیں جن کا کوئی کی نسبت سے دریائے سندھ کے کنارے ہمالیائی دامنوں میں ہجرت کر کے جانے والی جاٹ قوم میں سین کا لفظ آج تک بھی نام کا جزو ہے اور غالباً راجپوتوں میں بھی سنگھ کا لفظ اسی تعلق سے ہے جو سین سے بگڑ کر سنگھ ہو گیا۔ جاٹ سکھوں نے بھی یہی سنگھ کا لفظ اپنا لیا۔ دریائے ستلج کے کنارے والی جویہ قوم کا شجرہ نسب بموجب بہاول پور گزیٹیئر (صفحہ ۱۲۸) ان ناموں سے شروع ہوتا ہے جن میں سین جزو تھا۔ مثلاً سانونت سین۔ الیسے سین۔ بئے سین۔ کو نبیر سین، راج سین۔ یہ تو تسلیم شدہ امر ہے کہ بتوں کی صورت میں پوجے جانے والے معبود یا تو زمانہ گزشتہ کے انبیاء ہوتے تھے یا اولیاء۔ ابراہیمؑ نے جو ملت ابراہیمی اور سنت ابراہیمی

کے ماخذ ہیں۔ اسی سین کے بت کی پرستش کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ نمرود کے تشدد کا سامنا ہوا۔ ممکن ہے کہ سورۃ یاسین کے آغاز میں حروف مقطعات یاسین میں اسی سین کی طرف اشارہ ہو۔ وادی سندھ کی باقیماندہ قوم بعد میں اصحاب الرس کہلائی اور جیسا کہ حضرت علیؓ کی روایت میں کہا گیا ہے یہ واقعہ حضرت سلیمان بن داؤد کے وقت کے بعد کا ہے جن کا زمانہ ۹۵۰ قبل مسیح کا ہے ان کا بادشاہ بموجب روایت حضرت علیؓ ترکوز تھا جو ابراہیمؑ والے نمرود کی اولاد سے تھا۔ ہندو پرانوں میں اور رزمیہ داستانوں میں اجودھیہ کے بادشاہ ترسنکو کا ذکر ہے جس تے ایک کیکائی قبیلہ کی شہزادی کے ساتھ شادی کی تھی بموجب جنرل کننگھم یہ قبیلہ جہلم کے دائیں کنارے ضلع جہلم کے موجودہ قصبہ جلال پور سادات میں تھا۔ دریائے جہلم رسول سے جنوب کی طرف سیدھا ضلع ساہی وال میں جاتا تھا۔ تو کیکائی قبیلہ اس وقت کے پانچ ہزار سال پہلے کے سندھ ساگر دواب میں رہتا ہوگا۔ سکندر اعظم کے وقت میں سنگالہ کے مقام پہ ایک کیٹھائی قبیلہ نے اس سے سنکو نے لڑائی کی تھی غالباً یہی کیکائی قوم تھی جو اب کاٹھیا قوم کہلاتی ہے۔ ترسنکو کا اجودھیہ یعنی پاکپتن اور کیکائی قبیلے کا وطن جلال آباد بالترتیب اس وقت کے پنج دواب اور سندھ ساگر دوآب میں تھے اور ہمارے تھے (تاریخ مغربی پاکستان صفحہ ۲۹۱) اور یہ بھی قابل غور امر ہے کہ لفظ سین سے مختص نام والے آباؤ اجداد کی اولاد جو پاکپتن سے غرب کی طرف وہیاڑی تک اور جنوب میں پورے ضلع بہاولنگر میں فورٹ مروٹ تک چلی جاتی ہے ایسا

Scanned by CamScanner

معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم پانچ ہزار سال پہلے سندھ ساگر دوآب کے جنوبی حصہ میں سندھ اور چناب کے درمیان رہتی تھی اور اسی وجہ سے سین کی پجاری تھی۔ اگر یہ نظریہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابا سین کے پجاری عراق میں پہنچے اور سومیری کہلائے اور زیارت کے جو نیپر اشجار کی پرستش کا شعار اپنے ساتھ لے گئے۔ اس کے بعد بقیہ ماندہ قوم دریائے سندھ پر پیچھے رہ جانے والی اپنے وطن کے عظیم شہروں میں موجود رہی۔ موہنجو دارو اور ہڑپہ اور پتن منارہ انہی کے بارہ بلادِ عظیم میں سے تھے۔

۳۰۔ اصحاب الرس کے دریائے رس کا تاریخی ثبوت

اب سوال یہ ہوگا کہ دریائے سندھ کے اصحاب الرس کی وجہ سے رس کہلانے کا تاریخی ثبوت ہونا چاہیئے۔ رگ وید میں ایک دریا عظیم سرسوتی کا ذکر ہے۔ عام خیال یہی تھا کہ یہ دریائے گھاگرا تھا جو اب بہاول پور کے چولستان میں خشک پڑا ہے۔ دنیا کے مشہور محقق اور جغرافیہ دان سر ارل سٹین نے اس خشک دریا کے کنارے مشہور آثار قدیمہ رنگ محل (دریائے گھاگرا اور ستلج کا پانچ ہزار سال پرانا مقام اتصال) سے لے کر ڈیرا ور تک کے تمام کھنڈرات کی تحقیقات کی وہ اسے دریائے سرسوتی سمجھ کر چلے تھے۔ انہوں نے اس دوران بڑے معنی خیز انکشافات کیئے جو اس میرے مقالہ کے بعض نظریات کی بنیاد ہیں۔ بیشتر اس کے کہ وہ خود ڈیراور سے سندھ کے الور تک تحقیقات پوری کر کے ان انکشافات پر کوئی حتمی نظریہ پیش کرتے وفات پا گئے۔ ان کا اس تحقیقات پر مقالہ رائل جیوگرافیکل

سوسائٹی کے جریدہ جیوگرافیکل جنرل اپریل ۱۹۴۲ء صفحات ۱۷۴ تا ۱۸۲ پر شائع ہوا ۔ آنجہانی نے مفصلہ ذیل انکشافات اور اقوال پیش کیے

۱۔ پاکستان کے بہاولپور ڈویژن کے اندر (ولر اور فورٹ عباس تک) اس خشک دریا پر جس کو یہاں ہاکڑہ کہتے ہیں۔ آثار قدیمہ وادی سندھ کی تہذیب کے ہم سن ہیں، بھارت کے بیکانیر ڈویژن کے اندر وادی سندھ کی تہذیب کے کوئی آثار نہیں ملتے ۔ (بھارت کے ڈائریکٹر جنرل آثارِ قدیمہ مسٹر گھوش اس پر اتنے برہم ہوئے کہ انہوں نے اس کی تردید کی کوشش کی مگر ناکام رہے ان کا یہ مقالہ ڈاکٹر ہنری فیلڈ کی کتاب "مغربی پاکستان کی انتھروپالیجیکل سروے" میں بطور ضمیمہ "ج" درج ہے)

۲۔ بہاول پور ڈویژن کے اندر کے کھنڈرات پانچ ہزار سال پہلے اس دریا کے خشک ہو جانے سے ویران ہو گئے ۔

۳۔ ویرانی کی دلیل دیتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ پانچ ہزار سال پہلے دریائے ستلج سے جہاں اب وہ چل رہا ہے دو شاخیں اسی خشک دریا میں پڑتی تھیں اب ان دو راستوں پر صادقیہ کینال کی ہاکڑہ برانچ اور بہاول کینال کی ڈیزرٹ برانچ چلتی ہیں۔

۴۔ یہ دونوں شاخیں کسی وجہ سے ایک ہی وقت میں بند ہو گئیں اور یہ پورا علاقہ برباد ہو گیا۔

۵۔ اس بربادی کے بعد ایک اور تمدن وجود میں آیا جس کے آثار اسی پرانے چھوڑے دریا کے اندر کم چوڑائی کے کنارے رنگ محل کے قریب سے

Scanned by CamScanner

فورٹ مروٹ تک پائے جاتے ہیں۔ یہ صورت حال غالباً یہ ثابت کرتی ہے کہ ستلج کی بھی اسی زلزلہ کے نتیجہ میں کمر ٹوٹ گئی تھی۔ جس نے چناب اور سندھ کو سورت دیس کے نشیب میں ڈال دیا تھا اور صرف گھاگرا کا پانی ستلج کی وسیع چوڑائی کے ایک حصہ میں فورٹ مروٹ تک چل کر اس نئے تمدن، کی آبیاری کرتا رہا۔

۶۔ فورٹ عباس سے تین میل شمال مغرب میں ایک قدیم ویرانے کو سر آرل سٹین نے سنداناں والا نام دیا۔ غالباً انہوں نے مقامی لوگوں میں معروف نام سُن کر دیا ہوگا۔ اسی طرح انہوں نے فورٹ مروٹ سے بیس میل مغرب میں ایک عظیم اور بلند کھنڈر کو کڈ والا کا نام دیا۔

۷۔ فرماتے ہیں کہ ڈیراور کے ارد گرد وسیع و عریض علاقہ میں ڈیلٹائی صورت حال پائی جاتی ہے۔

میں نے انہی انکشافات کی بنیاد پر باب دوم فصل ۶ میں نظریہ پیش کیا تھا کہ فورٹ مروٹ پر جہلم اور چناب ستلج میں آکر ملتے تھے سنداناں والا کا عظیم کھنڈر سنگم کی تکون کے اندر کا تجارتی اور ثقافتی شہر تھا۔ فورٹ مروٹ سنگھم کے نیچے بائیں کنارے تھا۔ دریائے سندھ ڈیراور کے قریب اس زمانے کے دریائے پنجند میں آملتا تھا۔ کڈ والہ سے لے کر ڈیراور تک (۲۵) میل ان عظیم الشان دریاؤں کے سنگھم کے ڈیلٹا کی لیک ہوتی تھی میری رائے میں اس ڈیلٹا کی تکون کا تاج (ایپکس) کہروڑ اسرانی اور میلسی کے درمیان ہوتا تھا۔ آج بھی یہی حالت ہے۔ راقم کا ذاتی

مشاہدہ ہے کہ کئی سال سے بہتا ہوا چناب دس پندرہ میل کی لمبائی میں ایاہر دریائے سندھ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اچانک دریائے سندھ کی ایک شاخ پچھلے سال کے سنگھم تے ۱۵ میل اوپر چناب ہیں گر گئی۔ دریائے سندھ کا پانی دریائے چناب کے پانی سے ۵۳ فٹ اونچا ہے ازمنۂ قدیم میں پانچ ہزار سال پہلے ڈیلٹا کی تکون پر ملیسی، ڈیراور اور کُڈ والا تھے آہستہ آہستہ یہ تکون غرب کی طرف کہروڑ کی طرف جنوب مغرب میں ہٹتی گئی۔ اسی طرح چناب اور ستلج کے سنگھم کے ڈیلٹا کی لپک ستدانال والا سے فورٹ مروٹ پر تھی اور فورٹ مروٹ کے اردگرد بھی وسیع اور عریض مگر سندھ سے چھوٹا ڈیلٹائی علاقہ ہے۔

سر آرل سٹین نے صفحہ ۱۷۶ پر پیرا نمبر ۲ میں رگ وید کے گیتوں میں ایک عظیم دریائے سرسوتی کے ذکر اور اس کے متبرک ہونے کے عقیدے اور موجودہ زمانے کے ایک چھوٹے سے موسمی دریا گھاگرا اور اس کے ایک چھوٹے سے معاون موسمی دریائے سرسوتی کو رگ وید کا بیان کردہ دریا ہونے کے عقیدہ میں تفاوت پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہی شکوک کی بنا پر ایک جرمن دانشور پروفیسر آر دان را تھ نے دریائے سندھو یعنی دریائے انڈس کو رگ وید کا بیان کردہ دریائے سرسوتی کہا ہے اور بہت سے دوسرے دانشوروں نے بھی اس کی تائید کی ہے میری رائے میں اس جرمن دانشور نے صحیح کہا ہے کیونکہ سرسوتی سے مراد دراصل سویراس وتی ہو سکتا ہے یعنی اصحاب الرس کا دریا۔ اور اسی بناء پر یہ یقین غالب ہو سکتا ہے کہ سرائیکی کا لفظ دراصل

سویرا کی تھا جو آہستہ آہستہ بگڑ کر سرائیکی ہو گیا۔ جس کو کسی نے سرائے کی سمجھا تھا اور مسٹر لیمبرک نے سرو کی لکھ کر ہمیں دریائے سندھ کے بالائی حصے کی طرف پہنچا دیا۔ جہاں ہم نے سویرا اس قوم کو تلاش کر کے سویرا کی زبان کا نام تلاش کر لیا۔ سر آرل سٹین نے اپنی ابتدائی تحقیقات میں دریائے ستلج کو پانچ ہزار سال موجودہ جگہ پر ہونے کا گمان ظاہر کیا اور اس سے دو شاخیں ایک دوسرے سے تقریباً ۸۰ میل دور ایک ہی دریا سے نکلتی ہوئی کے وجود کا گمان بھی کیا اور پھر ایک وقت میں دونوں کے بند ہو جانے کا اندازہ لگایا۔ یہ تینوں اندازے دراصل تعجب خیز تو ہیں۔ مگر سر آرل سٹین جیسے دانشور کے لئے یہ تین اندازے صرف سائنسی طرز کی تحقیقات پر یکے بعد دیگرے تبدیل کرتے پڑتے اور میری ناچیز رائے میں وہی نظریہ پیش کرتے جو میں نے باب دوم فصل ۶ میں پیش کیا ہے۔

۳۱۔ دریائے چناب کے لاہور (یونانیوں کا لوبلکا) کے غرب سے ہو کر ہتو کی کے غرب پر جنوب کو مڑ کر دیپالپور (یونانیوں کا دایا بالا) اور پاکپتن (رامائن کا اجودھیا) کے غرب پر ہو کر فورٹ منرو پہنچنے کا سچ نامے ثبوت اور اسکی یونانی جغرافیہ دان ٹالمی سے تائید

وادیٔ سندھ کی تہذیب کے سراغ کے لئے دریائے چناب اور جہلم کے فورٹ مروٹ پر پہنچنے کا نظریہ کلیدی ہے۔ تاریخ اپنے صحیح خطوط (اور لائن) محفوظ رکھتی ہے اس امر کے تاریخی اور جغرافیائی ثبوت بہت ہیں۔ وادیٔ سندھ کی تہذیب کی تحقیق کرنے کے لئے تقریباً پورے مغربی پاکستان کے دریاؤں نہروں اور ریلوں کا مشاہدہ ضروری ہے۔ راقم کو یہ سعادت نصیب ہوئی اور اور اسی بناء پر میں نے یہ نظریہ وثوق سے پیش کیا ہے۔ لاہور کے قریب لاہور ملتان روڈ پر نیاز بیگ کے مقام سے بے کر بلو کی ہیڈ ورکس تک اگر دریائے راوی کے بائیں کنارے پر جا کھڑے ہوں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دریا راوی سا ایک چھوٹا دریا ایک بہت بڑے دریا کے تل والے حصے میں چل رہا ہے۔ بڑے سے بڑا سیلاب بھی اس کنارے کو نہیں چھو سکتا، جہاں ہم کھڑے ہیں بلو کی ہیڈ ورکس پر تو ہم بہت سارا نشیب اتر کر ہیڈ ورکس کے سیلابی حفاظتی بند پر پہنچتے ہیں۔ یہ ایک اور تائیدی امر ہے بلو کی ہیڈ سے نکلنے والی لوئر باری دواب کینال پتوکی سے آگے جا کر رینالہ خورد کے مقام پر ایک بڑی آبشار (فال) پر گر کر بجلی پیدا کرتی ہے۔ دراصل اس مقام پر شرقاً غرباً بہنے والی کینال میرے نظریئے کے مطابق شمالاً جنوباً چلنے والے قدیم چناب کے بیڈ میں گرتی ہے۔ ساہیوال اس کے دوسرے کنارے پر ہے وہاں آپ دیکھیں گے تو نہر ریلوے اسٹیشن اور شہر کے درمیان بالکل زمین کے اندر چلتی ہے۔ یہ چناب کا دوسرا کنارہ ہے۔ ہڑپہ پہنچنے سے پہلے نہر ایک بہت بڑے نشیب میں سے گذرتی ہے یہ شمالاً جنوباً چلنے والے

Scanned by CamScanner

جہلم کا بیڈ ہے۔ لوئر باری دوآب کینال کی طرح اس کے جنوب میں اس کے متوازی چلنے والی نیلی بار کینال اور اس کی اس کے متوازی چلنے والی کھادر برانچ کی بھی یہی حالت ہے کھادر برانچ کا مشاہدہ بھی یہی کچھ بتلاتا ہے۔ گو درمیان میں صدیوں بعد آنے والے دریائے بیاس کا بیڈ اس گمان پر یقین سے باز رکھ سکتا ہے۔ آگے چلیں تو بہاولنگر کے ضلعی صدر مقام کے قریب صورت حال واضح ہو جاتی ہے۔ ستلج سے نکلنے والی صادقیہ کینال جس کی ہاکڑہ برانچ سر آرل سٹین کے مطابق ستلج کی ایک قدیم شاخ کے ساتھ ساتھ کنارے پر چلتی ہے بہاولنگر سے دس میل دور جال والا کے مقام پر ہے۔ بہاولنگر کے قریب چلنے والی ستلج سے نکلنے والی دوسری نہر فورڈ واہ کینال ہے مگر اس دس میل کے فاصلہ میں صادقیہ کینال کی پانی کی سطح بہاولنگر کے قریب فورڈ واہ کینال کی پانی کی سطح سے ۲۵ فٹ اونچی ہے۔ یعنی جال والا قدیم دریائے چناب کے مشرقی کنارے پر ہے۔ اور بہاولنگر اس کے بیڈ میں صادقیہ کینال سے جتنی نہریں بہاولنگر شہر کے ارد گرد کو سیراب کرتی ہیں۔ ان میں ایکس ایکس فٹ کی مجموعی فاؤلین ہیں۔ یہی حالت شمالاً جنوباً چلنے والی ہاکڑہ برانچ کی ہے فورٹ عباس کے قریب قدیم ستلج کے کنارے پر پہنچنے سے پہلے اس سے جتنی شرقاً غرباً نہریں نکلتی ہیں۔ وہ بھی چند میل دور جا کر فاؤلین بنا کر قدیم چناب کے بیڈ کو سیراب کرتی ہیں۔

اب مزید تاریخی ثبوت پیش ہے۔ فورٹ عباس کے قریب والا سندانانی والا کا کھنڈر دراصل سندلاں والا کھنڈر ہے چچ نامہ (سندھی ادبی بورڈ)

میں صفحہ ۲۱۸ پر نز والا صندل کا ذکر ہے۔ جہاں گوپی بن داہر جا چھپا تھا۔ اس سے پہلے جیسنیہ اور وکیہ بھی وہاں جا چھپے تھے۔ یہ ملک چیتروز کا ایک مقام تھا۔ اس چیتروز کے متعلق بڑی غلط فہمیاں ہیں۔ بعض تو اُسے موجودہ راجپوتانے کا چتوڑ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ جگہ کہانیوں کا جیٹا روڑ ہے۔ غالباً اسی خشک دریا کے کنارے پر واقع ڈیرا ورڑ یا مروٹ کا قدیم نام تھا۔

یونانی جغرافیہ دان پٹالمے کے۔ د اریں پیش کردہ نقشے کے اندر دریائے چناب کا نام سنڈا کالیس دیا گیا ہے۔ (صفحہ ۱۴۴ تاریخ سندھ انگریزی' سندھی ادبی بورڈ جلد اول لیمبرک) یہ صوتی مشابہت بھی ایک تاریخی ثبوت ہے۔ کہ نز والا صندل کی طرف ایک دریا چلتا تھا۔ جس کا نام سنڈا کالیس تھا۔ جس کو پٹالمے نے چناب کی جگہ پر دکھایا ہے۔ اور وہ شمالاً جنوباً بہتا تھا۔ آج تک چناب اور راوی کے درمیان والے رچنا دوآب کو مندل بار بھی کہتے ہیں۔ غالباً یہ بھی زمانہ قدیم سے چناب کے پرانے نام کی صدائے بازگشت ہے۔ پٹالمے کے اس نقشے میں دریائے راوی کا نام ادرکیس دکھایا گیا ہے۔ یونانی مورخ ایرین نے اپنی کتاب "سکندر اعظم" میں سکندر اعظم" کو دریائے راوی پار کرکے ایک قوم ایدرلیسٹی کے شہر پمپیراما پر بغیر کسی لڑائی کے قبضہ کرکے سنگالا کی طرف جاتا دکھایا ہے۔ ممکن ہے کہ ادرکیس کا وطن اسی گرد و نواح میں ہو۔ یہ بیں تے جملہ معترضہ کے طور پر عرض کردیا ہے۔

Scanned by CamScanner

باب ششم

سرائیکی وطن میں سکندرِ اعظم یونانی کی آمد اور واپسی

۳۲۔ قدرت نے وادیٔ سندھ کی تہذیب سرائیکی وطن کے تمدن کی تاریخ کا ہمیشہ تحفظ کیا ہے

انسانی احاطۂ تحریر میں لائی ہوئی تواریخ میں وادیٔ سندھ کا پہلا سُراغ یونانی مؤرخ ہیرودوٹس کی "تاریخ" میں ملتا ہے۔ جس نے سکندرِ اعظم کی بطرفِ شرق پیش قدمی سے

Scanned by CamScanner

سے سو سال پہلے ان کو قلمبند کیا (میرے زیرِ نظر ہیروڈوٹس کی تاریخ" ترجمہ آبری ڈی سیلنکورٹ، پنگوئن کلاسکس نمبر ۱۳۲، لندن ہے) گویا اللہ تعالٰی نے تاریخ انسانیت کے اس اہم موڑ پر آنے سے پہلے حالاتِ حاضرہ کو قلمبند کرا لیا۔ سکندرِ اعظم کی آمد کے ساتھ اور بعد میں جذباتی اور مداحی طرز کے یونانی مؤرخوں اور مشاہدہ کی بجائے روائتوں پر انحصار کرنے والے جغرافیہ دانوں کا سلسلہ چار سو سال تک چلتا رہا۔ حتیٰ کہ دوسری صدی عیسوی میں ایک طرف تو یونانی مورخ ایرین نے رومن حکومت کے دور میں اپنی غیر جانبدارانہ تصنیف سکندرِ اعظم کی پیش قدمی " پیش کی جو اختصار بالتفصیل کا نادر نمونہ ہے ـــ اور سب کچھ کہا مختصر کہا کے مصداق ہے (میرے زیرِ نظر ایرین کی " سکندرِ اعظم کی پیش قدمی" مترجمہ آبری ڈی سیلنکورٹ پنگوین کلاسکس نمبر ۱۸۱- لندن ہے) اور دوسری طرف یونانی جغرافیہ دان ٹپالمے نے وادیٔ سندھ کا معروفِ زمانہ نقشہ پیش کیا ہے (دیکھئے صفحہ ۱۴۴ انگریزی تاریخ سندھ لیمبرک شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد) اسی طرح وادیٔ سندھ کی تاریخ کے دوسرے اہم موڑ پر محمد بن قاسم عربی کی آمد سے ستر سال پہلے چینی بدھ سیاح ہیون سانگ نے اپنے مشہور سیاحت نامے میں وادیٔ سندھ کے حالات تحریر کیے (میں نے ہیون سانگ کے حوالے لیمبرک کی تاریخ سندھ انگریزی حصہ اوّل۔ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سے لیئے ہیں)۔ محمد بن قاسم کی آمد کے بعد عرب سیاحوں اور جغرافیہ دانوں نے مشاہدہ اور روائت پر سفرنامے اور نقشے مرتب تو کیئے۔ مگر محمد بن قاسم کی پیش قدمی کے مستند حالات کوئی بھی تحریر نہ کر سکا۔ محمد بن قاسم کی آمد کے ۵۲۱ سال بعد عرب اقتدار کے خاتمہ پر وادیٔ سندھ میں عجمی اقتدار کے دور میں ایک عرب کوفی مؤرخ معروفِ زمانہ ازمنۂ قدیم کی وقائع نگار مقام اوچ کے رہنے والے علی بن حامد بن ابی بکر کوفی نے اس فرض کو ادا کیا۔ الور اور بھکر سے قدیم عرب

خاندانوں کے ورثاء سے ان کے خاندانی عربی مسودات حاصل کر کے فارسی میں ترجمہ کیا جو آج فتح نامہ سندھ یا چچ نامہ کے نام سے ایک تاریخی دستاویز یا یوں کہیئے کہ تاریخی سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے (میرے زیرِ نظر فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ۔ حیدرآباد ہے) انہیں چار دستاویز پر وادئ سندھ کی تاریخ کا بنیادی ڈھانچہ قائم کیا جاتا رہا ہے۔ وادئ سندھ کی تاریخ دلچسپ تو ہے مگر اس کے دلچسپ پہلوؤں کی تلاش کی کوشش نہیں کی گئی جب تک کوئی فرد کسی تہذیب اور تمدن یا مملکت یا قوم کی عظمت کا خود قائل نہ ہو وہ اُس کی تاریخ کی جستجو میں کماحقہٗ شوق نہیں رکھتا۔ ہیروڈوٹس اور ایرین نے اپنے وطن یونان سے پھیلے ہوئے تمدن کے قصّے بیان کئے۔ ہیون سانگ نے بدھ مذہب کی روحانی عظمت اور اس اعتقاد کے دائرہ وسعت کی حدود تسلیم نہیں عربِ قوم کے لائے ہوئے روحانی انقلاب کی عظمت اور وسعت کو ایک عربی علی بن حامد بن ابی بکر کوفی نے پیش کیا۔ وادئ سندھ کی تاریخ دراصل۔ جیسے کہ پہلے پانچ ابواب میں بیان ہو چکا ہے۔ سرائیکی زبان بولنے والے لمبے بال رکھنے والے لوگوں کے وطن کی تاریخ ہے۔ خدا کی قدرت دیکھیئے کہ تاریخ انسانیت کے ایک پُرعظمت اور روحانیت کے گہوارے کو اصحاب الرس یعنی سندھو سوویراس کے زوال کے بعد قرآن کریم کے بیان کے مطابق ہمیشہ دُورافتادہ دارالحکومت کے محتاط رہنے کی ذلت اٹھانی پڑی۔ مقدونیہ بغداد۔ غزنی اور دہلی، اس کی حدود سے باہر اس پر حکومت کرتے رہے۔ قرآنِ کریم کے ارشاد مشاہدہ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ .... کے مصداق آج بھی اس وطن کی حدود کے اندر بسنے والے عوام کی زبان سرائیکی کو زبان کہلانے کا

Scanned by CamScanner

حق حاصل نہیں۔ پشتو اور بلوچی بولنے والے اور لمبی زلفیں رکھنے والے پٹھان اور بلوچ اسی سرائیکی وطن کے قدیم باشندے ہیں۔ یاد رہے کہ کابل، گردیز، غزنی، زیارت قلات کے گردو پیش سے نکل کر مشرق کی طرف بہنے والے دریا، کابل، کرم، گومل ژوب، تاری اور بولان کوہِ سلیمان کے غربی دامنوں سے نکل کر کوہِ سلیمان کو چیرتے ہوئے وادیٔ سندھ کے معاون بن جاتے ہیں۔ سرائیکی وطن کے اندر اس کے حدود کے قریب قریب پشتو اور بلوچی زبانوں کا رواج اتنا قابلِ تسلیم ہے۔ جس طرح ان علاقوں میں اُردو اور انگریزی کا رواج آج قابلِ فہم ہے۔

۳۳- تاریخ اور جغرافیہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے

جغرافیہ بغیر تاریخ کے سمجھا جاسکتا ہے۔ مگر تاریخ جغرافیائی تاریخ کی تحقیق کے بغیر قابلِ تفہیم نہیں بن سکتی۔ وادیٔ سندھ کے مورخین ملکی و غیر ملکی دونوں نے ہمیشہ یہی غلطی کی ہے۔ مثال کے طور پر یہ سمجھ لینا کہ ملتان سکندرِ اعظم کے وقت میں چناب کے بائیں کنارے تھا، جہاں آج ہے۔ حالانکہ سکندرِ اعظم کے زمانہ میں ملتان نہ صرف یہ کہ چناب کے غرب بلکہ سندھ کے بھی غالباً غرب میں ہوگا۔ اور سکندرِ اعظم اس مقام پر جسے اب ملتان کہتے ہیں آیا ہی نہیں اور نہ اس نے چناب کے دائیں کنارے کے علاقے پر یلغار کی۔ حقیقت یہ ہے کہ خطِ استوا کے شمالی نصف کرۂ ارض میں بہنے والے میدانی دریا ہمیشہ قدرت کے قانون غرب روی کے تحت اپنا شمالی کنارہ کاٹ کاٹ کر شمال اور غرب کی طرف ہٹتے چلے جاتے ہیں۔ یہ فعل خطِ استواء اور قطب پر رفتارِ گردش میں فرق کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ چونکہ ستلج اور فورٹ منرو سے فورٹ ڈیرہ اور تک چناب اور

فورٹ ڈیرآور سے سمندر تک دریائے سندھ کے تعاقب میں کوئی دریا قانونِ غرب رُوی کے تحت نہ آرہا ہوتا تھا۔ اس لیئے وہ بہاول نگر۔ بہاول پور اور رحیم یار خان کے اضلاع کا چولستان چھوڑ آئے۔ جہاں ان کے کنارے پر آباد شہر ویران ٹیلوں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں گمران کی موجودہ جگہ سے یعنی موجودہ شورکوٹ سنگم، موجودہ پنجند سنگم اور موجودہ کوٹ مٹھن سنگم سے لے کر ان کے موجودہ بالائی حصّوں کے میدانوں میں ایک۔ دریا دوسرے کے پیچھے غرب کی طرف ہٹتا رہا۔ اس طرح بعض میدانی علاقوں میں اغلب ہے کہ کئی دریا تہہ بہ تہہ ایک دوسرے کے اوپر چل چکے ہوں اور اپنے کنارے کے بیشتر شہروں کو اپنی مٹی کے اندر معدوم کر چکے ہوں۔ اس طرح یہ قرینِ قیاس نہیں کہ سکندرِ اعظم کے وقت سے لیکر آج تک دو ہزار دو سو سال چناب ملتان کے غرب میں اسی جگہ کھڑا رہا۔ حال ہی میں بہاول نگر کے قریب پیر سکندر کے مقام پر دریائے ستلج کے ہٹ جانے سے زمین میں دبی ہوئی ایک پختہ قدیم عمارت ظاہر ہو چکی ہے۔ غوطہ خوروں نے زیرِ زمین کھڑے پانی کے اندر بھی اس عمارت کے پچیس فٹ مزید ہونے کا پتہ دیا ہے۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ موہنجو ڈارو کی نچلی منزل اب بھی زیریں زمین پانی کے اندر ہے۔ حال میں ظاہر شدہ ستلج کے کنارے کی یہ عمارت تائید کرتی ہے اس بات کی کہ ازمنہ قدیم میں یہ عمارت شمال سے جنوب کی طرف بہنے والے جہلم یا چناب کے کنارے تھی۔ جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا تھا۔ بعد میں ستلج نے آکر اس کو اپنی مٹی کے اندر گم کر دیا۔ جس طرح موہنجو ڈارو کے اردگرد کی زمین اس کے ابتدائی وقت سے اب تک ۲۵ فٹ اوپر آچکی ہے۔ پاکپتن (رام چندر جی کا اجودھیہ) ہڑپہ (سکندر کا تباہ کردہ برہمن گڑھ) شورکوٹ (رجھکا کہانیوں کا سیرپورم) ملتان (ہیروڈوٹس کا کیسی پیٹرس اور البیرونی کا کاشی آپا پورہ) اوچ (؟)

Scanned by CamScanner

پٹن منارہ (سکندر کا فتح کردہ دوسرا برہمن گڑھ) اور موہنجو ڈارو (سکندر کا تباہ کردہ تیسرا برہمن گڑھ) جیسے پختہ اور بلند و بالا مقدس شہران دریاؤں کی زد سے تہہ بر تہہ اوپر کر لیے جاتے تھے۔ جہاں وہ آج ہمارے سامنے اپنی تاریخ کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ کم اہمیت والے شہر چھوڑ دیے جاتے تھے۔ ان سطور کو ذہن میں رکھ کر سکندرِ اعظم کی آمد اور واپسی کے قصے کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔

۳۴۔ سکندر اعظم کے وادیٔ سندھ میں داخلہ کا مقام اور پیش قدمی کا راستہ

خدا جانے انگریز جان بوجھ کر اپنی سیاسی اغراض کی خاطر وادیٔ سندھ کی تاریخ کے اہم خطوط کو بگاڑنا کیوں گوارا کر لیتا تھا۔ جنرل کننگھم نے ایک صدی پہلے ہندوستان کی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) کے بعد یہ نظریہ پیش کیا کہ سکندرِ اعظم، باجوڑ، دیر اور سوات کے راستے وادیٔ سندھ میں آیا، کوہ ہندوکش کے جنوبی دامن میں باختریہ کو جاتے ہوئے وادیٔ سندھ کا پہلا سکندریہ کابل کے کہیں شمال میں بنایا۔ باختریہ سے واپسی پر اسی مقام پر پہنچ کر وہ دیر اور سوات کے راستے چل کھڑا ہوا۔ اور تاربیلہ کے مقام پر کشتیوں کا پل بنا کر دریائے سندھ کو عبور کیا۔ اور موجودہ مقام ٹیکسلا میں پہنچا۔ اسی دیر اور سوات کے علاقہ میں اس کا ایک حکمران ابی سارس سے واسطہ پڑا وغیرہ وغیرہ اس حکمران کو ضلع ہزارہ کا بادشاہ بتایا گیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سکندر دریائے کرم کے راستے وادیٔ سندھ میں داخل ہوا اس کو علم تھا کہ اس علاقے پارا چنار میں ایرانیوں کی جلاوطن کردہ یونانی نسل قوم طوری آباد ہے۔ جو اس کا ساتھ دے گی۔ دریائے کرم کے منبع کے قریب اس نے باختریہ جاتے

ہوئے اپنا شہر سکندریہ بنایا تھا۔ تاکہ واپسی پہ وادئ سندھ کی طرف اس مقام سے چل پڑے۔ آج بھی وہاں یونانی نسل عُرمر قوم آباد ہے یعنی چھاؤنی والی قوم۔ عُرمر یونانی میں چھاؤنی کو کہتے ہیں۔ موجودہ مقام ٹھل ضلع کوہاٹ سے شمالی وزیرستان سے گذر کر جنوبی وزیرستان سے ہوتا ہوا دریائے گومل کو عبور کرکے تختِ سُلیمان (راک آف اورناس) کے قریب پہنچا۔ جنوبی وزیرستان میں یونانی نسل عُرمر قوم اس کی دوسری سکندریہ چھاؤنی کی آج بھی یادگار ہے۔ تختِ سُلیمان کے قریب پہلی بار اس کا واسطہ ایک حُکمران ابی سارس سے پڑا جو شاہِ قبائل کوہستانِ ہند کہلاتا تھا۔ اور تختِ سُلیمان اس کی راجدھانی میں تھا۔ اس پر چڑھ کر قبضہ کیا۔ اور پھر ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کی غربی اور شمالی سرحد پر ہوتا ہوا۔ موجودہ مقام پنیالہ (ہین کلائیٹز) سے پھر دوبارہ دریائے کرم کو درۂ تنگ (ڈرائنا) پر علیی خیل کے قریب عُبور کرکے کالا باغ کے نزدیک دریائے سندھ کو کشتیوں کے پُل پر عُبور کیا۔ اور موجودہ تحصیل خوشاب میں سکیسر پہاڑ کے دامن میں اس وقت کے ٹیکسلا میں پہنچا۔ یونانی زبان میں ٹیکس فوج کے ڈویژن کو کہتے ہیں (دیکھیے کنائس ڈکشنری) اور ڈویژنل کمانڈر کو ٹیکسلاس کہتے ہیں۔ یعنی ایران کی دارا اوّل کے وقت سے فوجی چھاؤنی تھی۔ جس کا کمانڈر پورے ضلع سرگودھا کا جہلم کے دائیں کنارے تک جو اس وقت پھالیہ کے قریب بہتا تھا۔ گورنر بھی تھا۔ چچ نامہ میں اس وقت کے اسی علاقہ سرگودھا کو از جلال پور سادات تا سیکسر چچ نامہ میں تیج موتہا کہا گیا ہے۔ کوہستان نمک کے اس حصہ میں پانچ میٹھے اور کھاری پانی کی جھیلیں ہیں اور اُچنک، چوعہ سیدن شاہ، کالا ہار، نوشہرہ، سیکسر، داؤد خیل اور کالا باغ تک یونانی نسل قوم اعوان آباد ہے (اس کی پوری مدلّل تفصیل راقم کی تصنیف "سکندرِ اعظم اور

پٹھان عمر اور اعوان، شائع کردہ ادارہ تحقیق و تذکرہ محلہ نقاش احمد پور شرقیہ میں ملاحظ فرمائیں) راقم نے ثابت کیا ہے کہ ابی سارس کا نام ازمنہ قدیم کے اصحاب الرّس کی ترکیب لفظی کی صدائے بازگشت ہے جو راقم کی رائے میں بالآخر چچ نامہ کے دفت کا رائے بچھرا ہو گیا تھا۔ آج بھی مثالیں موجود ہیں۔ عربی نام عبد السبوح خان سو بھے خان ہو گیا ہے عبد القدوس خان بُدھن خان بن گیا ہے یا اللہ خان، بہادل خان مشہور ہو گیا۔ جو سرائیکی وطن کے بہاول پور شہر کا ماخذ ہے۔ رائے بچھرا۔ ملتان کا حکمران اور سندھ کے حکمران رائے ساہرس کا رشتے دار اور ماتحت باج گذار تھا۔ غالباً ملتان تک کے دامنی علاقہ کے ساتھ زیارت سے نکلنے والے دریائے ژوب اور گومل کے پہاڑی علاقے کا حاکم بھی تھا۔ دیکھئے اس مقالہ کی فصل ۲۹) تختِ سلیمان، ڈیرہ اسماعیل خان کے ضلع میں واقع سرائیکی کے وطن ملتان کے شہر سے سیدھا، پرندے کی پرواز سو میل سے زیادہ نہیں۔ طرفہ یہ ہے کہ یونانی مؤرخ ایرین نے سکندرِ اعظم کے راوی کے جنوب کے واقعات میں صاف طور پر ایک مقام پر لکھا ہے کہ ہڑپہ کے گرد و پیش کی بہادر اور شجاع قوم ملی اور اس کی ہمسایہ قوم ایسی ڈرائیکی اور سنگالہ کی کاٹھیا قوم کے خلاف ابی سارس نے راجہ پورس کے ساتھ جو چج دو آب کا حکمران تھا۔ اتحاد کیا تھا۔ قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ضلع ہزارہ کا بادشاہ ٹیکسلا کی راجدھانی کے پار ساہی وال ضلع کے اندر کی قوموں کے خلاف گجرات کے راجہ پورس کے ساتھ مل کر کیسے جنگ کر سکتا تھا۔ لہٰذا یہ صحیح ہوا کہ وہ سندھ ساگر دو آب اور سندھ کے پار ژوب کے پہاڑی اور میدانی علاقے کا بادشاہ اور چج دو آب کے راجہ پورس کا ہمسایہ تھا۔ اور کاٹھیا، ملی، اور آکسی ڈرائیکی ان کے جنوب میں تھے۔ جن پر دونوں نے حملہ کیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ وغیرہ (دیکھئے راقم کی کتاب۔ "سکندرِ اعظم اور پٹھان" فصل سوم صفحہ ۵۶ تا ۶۱) یہ مختصر پس منظر

قارئین کی خدمت میں پیش کرکے ان کو سکندر اعظم کا بیاس سے جہلم پر واپس پہنچ کر کشتیوں کے ذریعے سرائیکی وطن میں داخلہ کیلئے تیار کرنا تھا کیونکہ یہیں سے اس کا سرائیکی وطن کے اندر کی قوموں سے مقابلہ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔

۲۵۔ سرائیکی وطن میں از کنارِ جہلم تا مکران سکندرِ اعظم کی تعمیری اور جنگی مصروفیات

سکندرِ اعظم کے کنارِ جہلم تا مکران واپسی تذکرہ میں مفصلہ ذیل قابلِ تحقیق امور سے ہمارا واسطہ پڑے گا۔

۱۔ دو پُراسرار مقامات کا نمایاں ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے کو پیلس آف صو فیتیز (موتیوں کا محل) کہا گیا ہے۔ اور دوسرے کو پیلس آف سوگر یا (سیم زدہ علاقے کا محل) ان کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی۔ جو قابلِ جستجو ہے۔

۲۔ تین برہمن ٹاؤنز کا ذکر ہے۔ جہاں پوری تفصیل دی گئی ہے۔ کہ برہمنوں نے کس طرح مقابلہ کیا اور سکندر اعظم نے ان کو کس طرح کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ یہ برہمن گڑھ کہاں واقع تھے۔ اس پر بحث قارئین کرام کیلئے بڑی دلچسپ ہوگی۔

۳۔ سکندرِ اعظم نے دریائے جہلم سے لیکر سمندر تک اس تمام دریائی سفر میں چار مقامات پر کشتیوں کیلئے ڈاک یارڈز (کشتیوں کے لنگر انداز ہونے اور سامان اور مسافر اتارنے اور چڑھانے کے لئے پختہ پلیٹ فارم) بنوائے، یہ کہاں تھے۔ ان کی تلاش اس وقت کے جغرافیائی حالات کو بڑے دلچسپ انداز میں پیش کرے گی۔

۴۔ اس تمام سفر میں سکندرِ اعظم نے دو غیر متعین مگر مخصوص مقامات پر شہر آباد کرنے کا

Scanned by CamScanner

حکم دیا ۔ اور ان میں خاص قسم کے فوجی آبادکار نامزد کئے ۔ ان مقامات کا متعین کرنا، اور ان قدیم فوجی آبادکاروں کی موجودہ اولاد کو نامزد کرنا تعجب انگیز ہوگا۔ ان شہروں کے علاوہ زمین غیر متعین مگر مخصوص مقامات پر تلیے بنوا کر فوج رکھنے کا حکم دیا۔

۵۔ ترتیب دار سکندرِ اعظم کو مفصلہ ذیل خود مختار اقوام (بلا حکمران) اور بادشاہوں سے واسطہ پڑا۔ شرقی کوہستانی قبائل کے بادشاہ ابی سارس کا ذکر تو پہلے آچکا ہے (دیکھئے فصل ۳۴) ان کے علاوہ سرائیکی وطن کی مفصلہ ذیل اقوام اور اشخاص سے اس کا واسطہ پڑا ۔ ملی قوم ۔ آکسی ڈرائیکی ۔ آباستانی ۔ زتھری ۔ اوسادینز ۔ سلطنت میوزی کینس کا بادشاہ گورنر آکسی کینس ۔ شاہ سمبوکس (مغربی کوہستانی قبائل کا بادشاہ) سلطنت پوٹالہ کا بادشاہ ۔ ایرابیٹیا کا خود مختار قبیلہ ۔ اور پٹائی کا خود مختار قبیلہ اور گیدوربیا کی قوم یعنی کرانی قوم ۔

۳۶ ۔ قدرت جب تاریخ کو دھرانے کا ارادہ کرلیتی ہے تو اس سے پہلے تاریخ کے انکشاف کے وسائل پیدا کرلیتی ہے؛

وادیٔ سندھ ، یعنی سرائیکی وطن کی تاریخ کے اسرار کو عریاں کرنے میں نہروں کے وسیع نظام اور ریل کی پٹڑیوں کے جال اور اُن کے نیچے سے گذرنے والی سیلابی گذرگاہوں نے بڑی مدد دی ہے ۔ یہ تمام کچھ گذشتہ ایک صدی میں ہوا ہے ۔ اور جنرل کنگھم جیسے مخلص جغرافیہ دانوں اور مؤرخین کو ان وسائل کی سہولت مہیا نہ ہوسکی ۔ اس لیئے ان کی بعض توضیحات قابلِ تحسین تو ہیں مگر اب قابلِ تسلیم نہیں رہیں بعض جگہ ان توضیحات میں ایسی صریح فروگذاشت پائی گئی ہے ۔ جن کی نشاندہی قارئین کیلئے باعثِ دلچسپی ہوگی؛

پیشتر اس کے کہ موضوع پر مفصّل عرض کروں، قارئین کو مغربی پاکستان کا نقشہ دیکھ کر فوراً عیاں ہو جاتا ہے کہ وادئ سندھ کے میدانی حصّے دراصل تین ہیں پہلا وادئ بالا یعنی پنجاب کا میدان از دامن کوہِ ہمالیہ تا دامنِ کوہِ سلیمان، دوسرا وادئ زیریں یعنی سندھ کا میدان از کوہِ سلیمان تا کیرتھر۔ دوسرا حصّہ پہلے سے چھوٹا مگر ہم شکل (پروٹوٹائپ) ہے دونوں میدان تکونی شکل کے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان بہاول پور کا میدان تنگنائے (کاریڈور) کی صورت میں ہے۔ تقریباً دو سو میل لمبا اور پچاس میل چوڑا۔ جیسا کہ فصل ۲۳ میں اوپر کہا گیا ہے۔ وادئ سندھ کے اس تین حصّوں والے میدان میں، بعض علاقے ایسے ہیں، جہاں صرف ایک دریا از جنوب تا شمال و مشرق تا غرب ہٹ گیا ہے اور اس لیئے اس کے چھوڑے ہوئے بے آب و گیاہ صحرائیں اپنے تمام نشانات اس طرح موجود ہیں۔ جس طرح فوٹوگرافی کی نیگیٹو پلیٹ پر عکس قائم رہ جاتا ہے۔ اسی ضمن میں ستلج۔ چناب اور دریائے سندھ کے جنوب کا چھوڑا ہوا سالم علاقہ، بہاول پور کا میدان خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ سندھ پار کے اضلاع جیکب آباد، سکھر، لاڑکانہ اور دادو بھی اسی ضمن میں آتے ہیں، جہاں ابھی تک سندھ نہیں پہنچا۔ پنجاب کا پورا چج دوآب خصوصاً ضلع سرگودھا بھی جغرافیائی تاریخ کی فوٹوگرانک پلیٹ ہے۔ جس پر دریائے جہلم کی پوری تاریخ از ہمالیہ تا خوشاب منعکس ہے۔ یہی خصوصیت موجودہ سندھ ساگر دوآب میں دریائے سندھ کے چھوڑے ہوئے صحرائے تھل کے اضلاع میانوالی اور مظفر گڑھ میں ہے۔ رچنا دوآب کے اضلاع لائل پور اور جھنگ میں اور بست باری دوآب کے اضلاع ساہیوال اور ملتان میں صورتِ حال کچھ اس طرح کی ہے کہ ایک بار تصویر لیئے ہوئے نیگیٹو پر دوبارہ کسی اور جگہ کی تصویر لے لی جائے۔ اوّل الذکر میں دریائے جہلم

Scanned by CamScanner

اور دریائے چناب کے پُرانے راستے ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہیں۔ مگر دونوں کے جنوب، جنوب مغرب سے جنوب مغرب کے رُخ چلنے کے آثار نمایاں ہیں اور ایک چیز واضح ہے کہ ان کا مقام اجتماع (رنو ڈل پوائنٹ) شورکوٹ ہی تھا۔ جس کے قریب آج بھی شمال میں جہلم اور چناب کا تریموں پر سنگم ہے، جو میری رائے میں جنوب سے شمال کو ہٹ آیا ہے۔ آخرالذکر میں، یعنی ساہی وال میں جہلم کے پیچھے چناب اور اُن کے پیچھے بیاس اور ستلج دوڑتے رہے ہیں۔ اور تہہ بہ تہہ ایک کے اوپر اپنے آثار چھپائے پڑے ہیں۔ ضلع ملتان میں سندھ کے پیچھے چناب، چناب کے پیچھے راوی اور بیاس اور ستلج علی الترتیب ایک کے اوپر دوسرا پڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ضلع ملتان کی میلسی اور لودھراں تحصیلوں میں چٹ ڈین کے علاقہ میں پچاس سال نہر چلنے کے بعد بھی جلات کا پانی کھاری ہے۔

۲۷۔ کوہِ سلیمان کے دامن کیساتھ پنجاب کے مقام عیسیٰ خیل سے سندھ کے مقام سہوان اور ٹھٹھہ تک ایک طویل دریا کے وجود کا تذکرہ

آئینِ اکبری کے نام نہاد سندھ پار کے غربی علاقے "بیرون پنجند" میں اضلاع ڈیرہ اسماعیل خان اور ڈیرہ غازی خان میں ازمنہ قدیم کی صورت حال ہُو بہو محفوظ ہے ڈیرہ اسماعیل خان کے پہاڑ پور کے نام چشمہ سے نکلی ہوئی بلوٹ لودھیاں

کے قریب بہتی ہوئی پہاڑ پور نہر سے نکلنے والے چھوٹی نہروں کی ترتیب اور ان سے
دو طرفہ آبپاشی کا نظام صاف ظاہر کرتے ہیں کہ کسی زمانے میں دریائے کرم دریائے
سندھ سے علیحدہ رہ کر یہ بیس میل لمبا اور دس میل چوڑا۔ بچا ہوا مسطح میدان بنا گیا
تھا۔ جو اب غرب کی طرف بڑھ آنے والا اعظیم دریائے سندھ دریا برد کرتا جا رہا ہے
اور ڈیرہ اسماعیل خان تک چالیس میل لمبے علاقے میں یہی حالت ہے۔ دریائی
آثار کی یہی حالت ضلع ڈیرہ غازی خان کی ڈیرہ غازی خان، جام پور اور راجن پور کی
تحصیلوں میں بھی ہے۔ وہاں بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں پانچ ہزار سال
پہلے جب سندھ ملتان کے غرب میں اور ہڑپہ کے شرق میں چلتا تھا۔ اس زمانے
سے سکندر اعظم کے زمانہ تک کے درمیانی عرصہ میں کسی وقت عیسیٰ خیل سے لے کر
جہاں دریائے کرم درۂ تنگ پر بنوں کے ضلع سے باہر میدانی علاقہ میں ضلع
میانوالی میں آ نکلتا ہے۔ کوہِ سلیمان کے دامن میں اضلاع میانوالی ڈیرہ اسماعیل خان
ڈیرہ غازی خان۔ مظفر گڑھ۔ بہاولپور۔ رحیم یار خان۔ جیکب آباد۔ لاڑکانہ اور دادو
میں سہون کے قریب کی جھیل منچھر تک ایک دریا، دریائے کرم۔ ٹانک زم۔ گومل۔
گنڈال۔ وہوا۔ سانگھڑ۔ سوری۔ وڈور۔ مٹھادن۔ کاہا۔ چاچڑ۔ شورن
اور نوڑی اور دیگر متعدد رود کوہیوں پر مشتمل ایک دریا بہتا تھا۔ جس میں کوئٹہ اور قلات
ڈویژن کے دریائے لہری۔ تلی۔ ناری۔ بولان۔ سکھلیجی۔ مولہ اور باران آ پڑتے تھے
اور یہ سب مل کر جھیل منچھر میں پڑ کر اور پھر دریائے آرال کی صورت میں نکل کر حیدرآباد
اور کوٹری کے درمیان بہہ کر ٹھٹھہ اور بھمبھور کے سامنے عربوں کے وقت کے چچ نامہ
کے بتلائے ہوئے ساکرے نالہ کی صورت میں (صفحہ ۱۵۴) بہہ کر سمندر میں جا پڑتا

تھا۔ اسی نالے کے راستے محمد بن قاسم کی منجنیقیں دیبل سے نیرون پہنچی تھیں تحصیل ڈیرہ غازی خان کے مقام شادان لنڈ سے لے کر تحصیل جام پور کے مقام داجل کے سامنے تک ایک پرانے دریائی راستے کے آثار ہیں۔ دریائے سندھ ابھی تک اس سے پانچ سے دس میل دور شرق میں ہے۔ اسی حدود کے اندر اس نشیب کے شرقی کنارے سے موجودہ دریائے سندھ تک ایک مسطح میدان میں نہروں کا نظام دو طرفہ آبپاشی کرتا ہے۔ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ یہی پرانا دریائی راستہ اسی میدان کو زمانۂ قدیم سے سیراب کرتا تھا۔ اس نشیب کے کنارے ایک مشہور قدیم شہر کا کھنڈر پڑا ہوا ہے۔ جسے راجہ دلورائے کا ٹبہ کہتے ہیں۔ اس سے دو میل قریب شرق میں جام پور کا شہر ہے۔ دلورائے بھی جام دلورائے کہلاتا تھا۔ یہ سندھ کے حکمرانوں کا خطاب تھا۔ موجودہ صوبہ سندھ میں ایک روایت مشہور ہے جس کا ذکر تاریخ سندھ کے مصنف سید ابوظفر صاحب ندوی (رفیق دار المصنفین) شائع کردہ مطبع معارف اعظم گڑھ میں تحفۃ الکرام کے حوالے سے دیا گیا ہے۔ سومرہ خاندان کے مختلف حکمرانوں کا ذکر کرتے مصنف صفحہ ۳۰۷ تا ۳۱۰ پر یوں رقمطراز ہے۔

"تحفۃ الکرام کے مصنف نے حکمرانوں کے سلسلہ میں دلورائے نامی ایک حاکم کا اضافہ کیا ہے جو فہرست مذکورہ بالا میں نہیں ہے۔ اس نے صاف طور پر یہ بھی تحریر نہیں کیا ہے کہ وہ کب تھا۔ یا کس وقت تک اس کی حکومت رہی۔ لیکن اس کے ایک جملہ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ دلورائے غالباً عمر سے پہلے تھا۔ راجہ دلورائے کی حکومت شمال میں ڈیرہ غازی خان اور جنوب میں موجودہ حیدر آباد کے قریب تک تھی۔ اس کا پایۂ تخت ازور تھا جو آجکل ایک معمولی قصبہ ہے۔"

Scanned by CamScanner

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھونگر دوم کے آخری عہد یا حفیف دوم کے زمانہ میں اس نے ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ شخص بڑا ظالم تھا۔ ہر تاجر جو اس کے ملک سے گذرتا اس کا النصف مال لے لیتا۔ اسی طرح خوبصورت عورت بھی اس کے ہاتھ سے نہ بچتی کہتے ہیں کہ ایک تاجر (یا شہزادہ بہ لباس تاجر) حج کی نیت سے اس ملک میں وارد ہوا۔ جس کا نام سیف الملوک اور اس کی بیوی بدیع الجمال تھی، دلورائے نے اس کی بیوی کو چھین لینا چاہا۔ تاجر بہت پریشان ہوا اور تین دن کی مہلت طلب کی۔ اس نے دعا و زاری کے ساتھ تدبیر و زر سے بھی کام لیا۔ مشہور ہے کہ مایوس آدمی کبھی کبھی مافوق الفطرت کام بھی کر بیٹھتا ہے۔ سیف الملوک نے بھی ایسا ہی کیا۔ کہ کثیر دولت خرچ کر کے بیشمار مزدوروں کے ذریعہ ایک رات میں پہاڑ (ٹیلہ) کھود کر اتنا راستہ بنا لیا جس سے کشتی نکل سکے۔ چنانچہ وہ اس پر سوار ہو کر بھاگ نکلا۔ اس نے چلتے وقت ایک پشتہ بھی بنوایا۔ جس سے وہ ندی جو اروڑ کے پاس بہتی تھی اس کا رخ دوسری طرف ہو گیا۔

دلورائے کو جب معلوم ہوا۔ تو اس نے سیف الملوک کو گرفتار کرنے کی بڑی کوشش کی مگر ناکامیاب رہا۔ دلورائے کے ظلم سے تاجروں کی آمد بند ہو گئی۔ ادھر دریا کا رخ بدل جانے سے جو زراعت کو نقصان پہنچا وہ بہت ہی تباہ کن تھا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد شہر میں خاک اڑنے لگی۔ لوگ اس جگہ سے ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے گئے آخر یہ شہر ویران ہو گیا۔ دلورائے بھی وہاں سے برہمن آباد چلا آیا۔ برہمن آباد کا اصل نام "بم ہن وا" ہے۔ آجکل یہ ضلع نواب شاہ میں ایک ویران جگہ ہے جو منجو ڈارو تعلقہ میں واقع ہے۔ ابھی کو برہمن آباد کا ویرانہ سمجھتے ہیں۔ تحفۃ الکرام میں اس کا نام بھانبڑا

لکھا ہے۔

دوارائے کا ایک چھوٹا بھائی جس کا اصلی نام امرانی (امرادین) تھا۔ لیکن پیار سے لوگ اس کو چھوٹا (چھوٹو) کہتے تھے۔ وہ اسی کے ساتھ رہتا تھا۔ سوا سو برس سے زیادہ ہوا کہ سندھ میں سنیوں کی اعلیٰ حکومت چلی آ رہی تھی۔ بھکر (منصورہ) جو برہمن آباد سے بہت نزدیک واقع ہے۔ یہاں سُنّی خاندان، صاحب علم ہمیشہ سے رہتے تھے۔ غالباً انہیں لوگوں کے فیضِ صحبت سے امرانی متاثر ہوا۔ اور چھوٹی عمر سے اسلام (سنّی مذہب) کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ دوسرے شہر (غالباً بھکر منصورہ) جا کر اس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ اور حافظ ہو کر واپس آیا۔ اس کے گھر والوں نے اس کو شادی پر مجبور کیا۔ مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعض دوستوں نے طعنہ دیا کہ یہ تو ملکِ عرب کی فلاں لڑکی سے شادی کریں گے۔ غالباً یہ بات اس کے دل میں کھب گئی۔ امرانی حج کے لئے چلا گیا۔ اور وہاں پہنچ کر غالباً اس کی تلاش کی۔ ایک دن کسی مکان پر ایک عورت قرآن پڑھنے میں مشغول تھی۔ یہ کھڑا ہو کر سننے لگا، اس عورت کے دریافت کرنے پر تجوید قرآن سیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ اس نے کہا میں نے تجوید فلاں عورت سے حاصل کی ہے۔ تم اگر چاہتے ہو تو زنانہ لباس بدل کر میرے ساتھ چلو۔ امرانی دوسرے دن اس کے ساتھ گیا اور پھر روزانہ وہاں جا کر تعلیم حاصل کرنے لگا۔ ایک دن کوئی عورت آئی اور اس نے اپنی لڑکی کیلئے، جس کی نسبت قرار پا چکی تھی معلمہ سے سعد اور نحس دریافت کیا۔ جس میں اس کو مہارت حاصل تھی۔ عورت کے جانے پر امرانی نے معلمہ سے کہا کہ تم دوسروں کا ستارہ دیکھتی ہو۔ خود اپنا بھی تو دیکھو۔ چنانچہ اس نے دیکھ کر کہا کہ میری شادی کسی سندھی سے ہو گی۔ اس نے پوچھا کب۔ جواب دیا کہ

بہت جلد۔ امرانی نے سوال کیا کہ کس شخص سے۔ اس نے استخراج کرکے کہا کہ تم سے۔

معلمّہ نے اس کو تاکید کر دی کہ کل سے وہ نہ آئے اور میرے ماں باپ سے جا کر میرے ساتھ شادی کا پیغام دے۔ چنانچہ وہ شادی کرکے اپنی بیوی کے ساتھ سندھ واپس آیا۔ اور برہمن آباد میں رہنے لگا۔ امرانی بڑا نیک بخت اور پارسا تھا۔ دلورائے کو برابر نصیحت کرتا رہتا۔ اور نیکی کی طرف مائل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ لیکن دلورائے اپنی بدچلنی سے باز نہ آتا۔

ایک دلاّ کسی نے امرانی کی بیوی فاطمہ کے حُسن کی بڑی تعریف کی۔ دلورائے نے موقع تاک کر جب کہ امرانی گھر میں موجود نہ تھا۔ فاطمہ کے دیکھنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ جب وہ گیا، تو امرانی کو بھی خبر لگ گئی وہ بھی پہنچا۔ اور اپنی بیوی کو لے کر شہر سے باہر نکل گیا۔ اور اس نے اعلان کرادیا کہ دلورائے کی شامتِ اعمال سے یہ شہر دھنس جائے گا۔ آخر تیسری رات کو جب کہ لوگ میٹھی نیند میں مست تھے، زلزلہ سے یہ شہر زمین کے اندر دھنس گیا ایسا برباد ہوا کہ بجز ایک مینار کے کوئی چیز زمین پر نہ رہی۔

غرض حاکم و محکوم سبھی موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اور غالباً دلورائے کا خاتمہ بھی اس کے ساتھ ہوا۔ ضلع تھرپارکر میں ایک پہاڑ کارونجھر ہے، جو غالباً کسی زمانہ میں آتش فشاں تھا۔ یہاں اکثر زلزلہ اب بھی آتا ہے۔ اس کا اثر کبھی کبھی دور تک ہوتا ہے۔ سانگڑھ کا علاقہ اسی ضلع میں شامل ہے۔

مسٹر لیمبرک نے اپنی انگریزی "تاریخ سندھ" میں صفحہ ۷۹ پر اس کا ذکر کیا ہے غالباً ان کا قیاس درست ہے کہ دلورائے کا اصل وطن جالم پور تھا۔ کیونکہ عین سامنے کوہِ سلیمان

کی دوسری طرف کوئٹہ ڈویژن کی بارکھان تحصیل ہے۔ جسمیں ۱۹۶۶ء میں ایک قیامت خیز زلزلہ آیا تھا۔ ڈیرہ غازی خان کی تحصیل میں آج بھی ایک دوسرا شہر کوٹ چھٹہ کے نام سے مشہور ہے۔ اوراسی دریائی نشیب کے کنارے پر دلورائے کے ٹبہ سے دس میل دور شمال میں ہے۔ غالباً یہی شہر دلورائے کے بھائی چھوٹو کے نام پر موسوم ہے۔ اس علاقے میں ایک قوم آج بھی امرانی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ چھوٹو کا اصلی نام تھا۔ اسی گردونواح میں دلورائے کے ٹبہ سے ۴ میل دور موجودہ جام پور شہر سے ۲ میل شرق کی طرف شیرو نام کا قصبہ ہے۔ غالباً انہی دو کی نسبت سے آئینِ اکبری کا بیان کردہ بیرون پنجند کا محال جمشیرو ہے"

میرے طویل اقتباس کا منشا یہ ظاہر کرنا تھا کہ قدیم زمانہ میں سندھ کی حکومت پہاڑپور ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ غازی خان، سے حیدرآباد اور ٹھٹھہ تک اسی سلیمانی دریا کے کنارے۔ اوراس کے سہارے چلی جاتی تھی۔ یہ خود بخود ایک ثبوت ہے کہ زمانۂ قدیم میں دریائے سندھ کے علاوہ ایک دریا ڈیرہ غازی خان سے حیدرآباد تک چلا جاتا تھا۔ جیساکہ میں نے اپنے نظریہ میں ظاہر کیا ہے۔ اور دوسرا منشا یہ تھا کہ ایسے چھوٹے دریا کو سردی کے موسم میں جب کہ پانی کم ہوگا، کسی مقام پر جہاں دو شاخہ ہو، دلورائے کے شہر سے بند کے ذریعے موڑ کر دوسری شاخ میں ڈال دینا ممکن تھا۔ جیساکہ سیف الملوک کا کرلینا اس روایت میں بتایا گیا ہے۔

پانچہزار سال پہلے سے لیکر آجتک جب کہ سندھ، ہڑپہ کے قریب شرق سے غرب کی طرف ہٹتا چلاآیا تھا۔ وہ اپنے غربی کنارے سے اسی دریا کی طرف اپنی شاخیں بھیجتا رہتا تھا۔ جو اس کی کم آبی کو سردی اور گرمی میں تقویت دیتی رہتی تھیں۔ راقم کو ایک عمر رسیدہ

Scanned by CamScanner

شخص نے ٹبہ دلورائے کے کھنڈر کے معائنہ کے وقت اپنی خاندانی روائت بتلائی تھی کہ اس کے باپ دادا کہتے تھے کہ اس لنشیب کے کنارے کسی کھدائی کے دوران ایک لکڑی کا بوسیدہ تختہ برآمد ہوا تھا جس میں تانبے کی لمبی کیلوں سے دو حصّوں کے جوڑ کو باندھا گیا تھا۔ غالباً یہ کشتی کا ٹوٹا ہوا تختہ تھا جو امر اس دریا میں ہمہ وقت، پورا سال، کشتی رانی کا ثبوت بھی ہے۔

میرے اس نظریہ کی دوسری مضبوط دلیل چچ نامہ کے وہ الفاظ ہیں جو نیرون پہنچنے پر محمد بن قاسم کی بارش کیلئے دعا کے متعلق کہے گئے ہیں (دیکھیئے چچ نامہ صفحہ ۱۵۶) نیرون پہنچنے پر بردکسی کے میدان میں ابھی مہران کا پانی نہیں پہنچا تھا۔ چچ نامہ کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ساکرے نالہ میں جس کے کھاری آب رواں پر سمندر سے نیرون کوٹ تک منجنیقیں لائی گئیں تھیں۔ مہران کے میٹھے پانی کی معاون شاخیں پینے کا پانی ابھی تک نہیں لائی تھیں۔

اس طرح ثابت ہو گیا کہ وادیٔ سندھ میں قدیم زمانہ میں دو دریا تھے ایک دریائے سندھ جو شرق کی طرف ہٹر یہ کے قریب عرب میں بہتا تھا۔ اور مہران کہلاتا تھا۔ کوہ ہمالیہ کے پانچ دریا ستلج، بیاس، وادی، چناب اور جہلم، مروٹ کے مقام پر ایک دریا بن کر ڈیراور کے مقام پر اس کے معاون بن جاتے تھے۔ یہ دریا شرقی نارا کی صورت میں رن کچھ میں جا پڑتا تھا۔ ایک دوسرا دریا کوہ سلیمان کے دامن کے ساتھ علیانی خیل سے سہوان اور ٹھٹھہ تک بہہ کر سمندر میں علیحدہ جا پڑتا تھا۔ شرقی دریا، دریائے سندھ پانچ ہزار سال پہلے اصحاب الرس کے ابتدائی زمانہ میں ایک عظیم زلزلہ کے نتیجے میں اور پھر قانونِ عرب روی کے تحت مسلسل مد اپنے

Scanned by CamScanner

معاونوں کے شرق سے غرب اور شمال کی طرف ہٹتا گیا۔ اور اپنی گولائی کو تنگ کرتا گیا۔ حتیٰ کہ سکندرِ اعظم کے وقت تک غالباً اس عربی دریا کو درمیان میں قطع کر دیا۔ اوپر والا حصہ آرسٹو بوبھرا کے مقام پر دریائے سندھ کا معاون بن جاتا تھا۔ اور یہی حالت عربوں کے وقت تک یعنی چھ سو سال بعد تک قائم رہی جس کا ذکر ابنِ حوقل نے بھی کیا ہے۔ (صفحہ ۲۲۲-۲۲۳- تاریخِ سندھ۔ ندوی) وہ کہتا ہے کہ ملتان سے تین دن کی مسافت پر ایک دریا سندرود ہے۔ جو ملتان اور لسمد (اوچ؟) کے درمیان سندھ میں گرتا ہے۔ اسی دریا کا نچلا حصہ کچھ دور نیچے آزلیکا کے مقام کے نیچے دریائے سندھ کی شاخ بن کر پھر اپنے راستے پر موجودہ ضلع رحیم یار خان۔ جیکب آباد۔ لاڑکانہ کے رُخ چل پڑتا تھا۔ یونانی جغرافیہ دان ٹالمی کے ۱۵۰ء میں تیار کردہ نقشہ اس کی وضاحت کرتا ہے (دیکھئے انگریزی تاریخِ سندھ مصنف لیمبرک۔ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد صفحہ ۱۴۴ اور ۱۴۵ کے درمیان)

۳۸- پٹالمے کا ۱۵۰ء کا تیار کردہ نقشہ شمال مغربی ہند یعنی وادیٔ سندھ، سرائیکی وطن کی تاریخ کی اہم دستاویز ہے

قارئین اگر دریائے سندھ کی سکندرِ اعظم کے وقت سے اب تک تقریباً اڑھائی ہزار سال میں پہنچی ہوئی موجودہ کوہِ سلیمان کے متوازی اس کے سلامی دار دامن کی ایڑھی کے ساتھ ساتھ شمالاً جنوباً حالت کو ٹالمی کے نقشہ سے مقابلہ کریں تو واضح

ہو جائے گا. کہ طول بلد اور عرض بلد اور عرض بلد کے لحاظ سے ۱۵۰ء میں دریائے سندھ جنوب مشرق کی سمت میں صحرائے تھل کے اوپر ملتان اور کہروڑ تک پہنچتا تھا۔ اور عرض بلد ۳۰ پر شرق سے غرب کی طرف آتے ہوئے چناب کو پنٹا گراما کے مقام پر مل جاتا تھا۔ جو پٹالمے کے نقشہ کے مطابق طول بلد ۱۲۱ پر تھا۔ اب تو دریائے سندھ ان آڑھائی ہزار سالوں میں کوہِ سلیمان کے دامن والے دریا کو پار کر گیا ہے۔ سوائے اوپر بیان کردہ بہاولپور کے علاقے کے اور ضلع ڈیرہ غازی خان کے جام پور اور راجن پور کے علاقہ کے ضلع جیکب آباد اور لاڑکانہ بس اسی سلیمانی دریا کے پانچ راستے سندھ کے غرب میں ابھی تک محفوظ ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی ایک فصل میں بیان کیا گیا ہے یہ پانچوں راستے موہنجو ڈارو کے قریب غرب میں ایک مقام گڑھی خیرو اور گڑھی یہ مرکوز ہو جاتے ہیں۔ آج بھی مشہور تاریخی مقام کہروڑ پکا کے قریب شمال میں ایک دریا کے آثار ہیں۔

مشہور انگریز مؤرخ کرنل ٹاڈ نے اپنی تاریخ جیسلمیر میں لکھا ہے کہ پندرہویں صدی کے آغاز میں جیسلمیر کے راجہ کلون نے اپنے باپ کیہر کے نام پر دریائے بیاس کے کنارے یہ قلعہ بنوایا تھا۔ یہ قیاس آرائیاں ٹاڈ جیسے مخلص مؤرخوں کی دلچسپ تو ہیں مگر قدیم زمانہ کی طرف کوئی راہنمائی نہیں کرتیں (ملتان گزیٹیر ۱۹۰۲ء میکلیگن صفحہ ۲۷۱)

میری رائے میں کہروڑ، سکندر اعظم کے وقت کا پنٹا گراما ہے۔ جس سے غالباً اس وقت کا پنجند سنگم مراد ہے۔ کیونکہ آج تک بھی یہ طے نہیں ہو سکا کہ ستلج اور بیاس کو ایک دریا سمجھا جائے یا دو۔ غالباً پٹالمے نے بھی ان کو ایک دریا سمجھ کر پنجاب کے چار دریا تصور کئے۔ اور دریائے سندھ کو پانچواں دریا خیال کیا۔ آئین اکبری

Scanned by CamScanner

میں بھی سندھ کو پانچواں دریا تصوّر کیا۔ اور اس کے غرب کے علاقے کو ڈیرہ غازی خان اور ڈیرہ اسماعیل خان میں بیرون پنجند کہا۔ جس طرح ستلج اور چناب کے جنوب والے علاقے کو بیرون پنجند کہا (دیکھیئے صوبہ ملتان اور صوبہ لاہور کے تذکرے) اسلئے پٹالمی نے بھی ان کے سنگم پر شہر کا نام پٹنا گرا ما رکھ دیا۔ غالباً یہی وہ شہر تھا جس کی تعمیر کا حکم سکندرِ اعظم نے دیا تھا۔ اب مجھ پر دو سوال کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ آیا دریائے سندھ کے مقام کہروڑ پر چناب میں آملنے کے امکانات ثابت ہو سکتے ہیں۔ راقم اپنے مشاہدہ اور دریائے سندھ اور دریائے چناب کی سطح آب کے مطالعہ سے کہہ سکتا ہے کہ ہاں یہ ممکن ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض ہوا۔ ابتدائے آفرنیش میں دریائے سندھ کالا باغ سے پھر میانوالی تک سیدھا شمالاً جنوباً اور میانوالی سے جنوب مشرق کی طرف گروٹا۔ اور جھنگ تک آتا تھا۔ اور اس بات کے تھل کے صحرا میں میانوالی اور مظفر گڑھ کے اضلاع میں اسی روش کے دہرائے جانے کے ثبوت موجود ہیں کہ وہ شمالاً جنوباً بھی بڑھتا رہتا تھا۔ اور پھر جنوب مشرق کے رُخ چل پڑتا تھا۔ ملتان کے ضلع مظفر گڑھ میں اس کا ایک نمایاں جنوب مشرقی راستہ نشیب کی صورت میں جس کو وانڈھر کہتے ہیں پڑا ہے۔ جس کو اگر چناب کے پار بڑھایا جائے تو وہ ملتان پر آپڑے گا۔ میرا قیاس ہے کہ سکائی لیکس یونانی امیر البحر جسے ایران کے دارا اوّل نے دریائے سندھ کی تحقیقات پر بھجوایا تھا۔ اسی راستے ملتان پہنچا تھا۔ جسے ہیروڈوٹس نے اس کو کیسی پٹیرس کہا ہے۔ البیرونی نے جس کا اصل نام کاشی آپا پورہ کہا ہے۔ ہیروڈوٹس نے اس کو کیسی پیٹرس کہہ کر یونانی تلفظ میں ڈھال دیا تھا۔ (دیکھیئے راقم کی کتاب سکندرِ اعظم اور پٹھان) یہ بھی یاد رہے کہ دریائے سندھ کا پانی چناب کی سطح آب

سے ۳۵ فٹ اونچا ہے ۔ اگر مظفر گڑھ یا خان گڑھ کے قریب دریائے سندھ کو جنوب مشرق کی طرف موڑ دیا جائے تو دریائے چناب کے پار کہروڑ تک پہنچ سکتا ہے ۔ مزید ثبوت کیلئے یہ امر کافی ہے کہ چشمہ جہلم ۔ تریموں ۔ سدھنائی ۔ کچاکھوہ ، ٹھنگی اور میلسی بہاول لنک کہروڑ کے علاقے کو بھی دریائے سندھ کے پانی سے سیراب کرے گا ۔ اب وہ ستلج سے سیراب ہو رہا ہے ۔ اب مجھ پر دوسرا سوال یہ ہوگا کہ میں نے پٹنا گراما کو ضلع ملتان کا موجودہ شہر کہروڑ کیوں تصور کر لیا ۔ میرے پاس چند قیاسی دلیلیں تو ٹپالمے کے نقشہ پر مبنی ہیں ۔ نقشہ کو دیکھیں تو ستلج اور بیاس کے سنگم کے نیچے ٹپالمے نے ایک شہر لوموسے دکھایا ہے ۔ میری رائے میں یہ موجودہ شہر کہروڑ کی شرقی طرف والا موجودہ شہر میلسی ہے ۔ جو لوموسے سے بگڑ کر میلسی ہوگیا ہے ۔ اور میلسی کے سامنے ضلع بہاول پور کی تحصیل حاصل پور کی تحصیل حاصل پور کے قائم پور شہر کے قریب ایک بہت بلند و بالا ٹبہ پڑا ہے ۔ جو ان قدیم ایام کے دریا کے جنوبی کنارے پر تھا ۔ اس کو رائے کا ٹبہ کہتے ہیں ۔ غالباً یہی لوموسے تھا ۔ میری دوسری دلیل اس سے بھی مضبوط تر ہے ۔ پٹنا گراما کے اتصال سے ذرا نیچے ٹپالمے نے ایک شہر آسی گراما دکھایا ہے ۔ میری رائے میں ضلع بہاولپور کے اندر موجودہ مقام سوئی دہاڑ سے تین میل جنوب میں زنگ پور ہے ۔ جو کہروڑ کے عین جنوب میں موجودہ ستلج کے جنوب میں ہے ۔ اس کی تائید میں ٹپالمے کے نقشہ سے بڑی مضبوط تائید ہو جاتی ہے ۔ ٹپالمے نے آسی گراما سے ایک شاخ جنوب مشرق کے رُخ کوہ بندھیاچل (کوہ ادا نڈین) کی طرف جاتی ہوئی دکھائی ہے بعض مؤرخین اور جغرافیہ دانوں نے جو حالات موقع سے واقف نہ تھے ۔ اس کو کوہ بندھیاچل

سے آتا ہوا سندھ کا ایک معاون تصور کیا ہے۔ دراصل یہ چولستان بہاولپور میں پڑے ہوئے مردٹ کڑ والا کے درمیان پانچ ہزار سال پرانے دریائے ستلج اور دریائے چناب کے قدیم راستے میں دریائے گھاگرا کا بہہ کر آنے والا پانی اس وقت کے (۱۵۰ء) دریائے سندھ میں آئی گرالک کے مقام پر پڑتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں دریائے سندھ موجودہ مقام اسرنی کے قریب سے گزر کر ڈیرادڑ تک بہتا تھا۔ اس کا مفصل ذکر اوپر کی فصل ۳۰ میں آچکا ہے۔

مسٹر لیمبرک کا بھی یہی خیال ہے (دیکھئے انگریزی تاریخ سندھ لیمبرک صفحہ ۱۴۰)

اب اس کی دوسری وضاحتی دلیلیں پیش کرتا ہوں۔ خدا جانے ٹپالمے نے اپنے نقشہ میں طول بلد کا زیرو (صفر) کہاں قائم کیا تھا۔ اس کے دیئے ہوئے نقشہ میں نیبا گراما کا (یعنی کہروڑ کا) طول بلد ۱۲۲ دیا ہے۔ جبکہ موجودہ جسرنیلی نقشہ میں گرینویچ کو صفر تصور کرتے ہوئے کہروڑ پکا کا طول بلد ۷۲ درجہ ہے۔ یعنی ۵۰ درجے کم لیکن اس کا عرض بلد جو خطِ استوار سے شمار ہوتے ہیں۔ جو ہر زمانے میں تقریباً یکساں ہونے چاہیں ۲۵، ۲۹ ہے جبکہ ٹپالمے کے نقشہ میں ۳۰ ہے، جو قریب قریب درست ہے۔

میں نے اسی سلسلہ میں ٹپالمے کے نقشہ میں دیئے ہوئے شہر آرسٹو بوتھرا کے متعلق قیاس آرائی کی ہے کہ یہ موجودہ شہر اوچ ہے۔ ٹپالمے نے اپنے نقشہ میں آرسٹو بوتھرا کے غرب میں ایک سلسلۂ پہاڑ غرب کی طرف جاتے ہوئے دکھایا ہے اس کا نام اس نے کوہ سلیمان رکھا ہے۔ قارئین اگر پنجاب اور سرحد کے نقشہ کا ملاحظہ کریں تو کوہ سلیمان۔ پارہ چنار، بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان سے شمالاً جنوباً

Scanned by CamScanner

سمت میں آتا ہوا۔ ڈیرہ غازی خاں کے مقام رونجھان پر شمال مغرب کی سمت بستی اور درہ بولان کی طرف مڑجاتا ہے۔ اور پھر قلات اور مکران میں چلا جاتا ہے۔ کوہِ سلیمان کے اسی شمال مغربی رُخ جانے والے سلسلہ کوہ کو ٹپلمی نے کوہ بیطیان دکھایا ہے (میری رائے میں اسی حصۂ کوہ سلیمان کو نچ نامہ کے صفحہ ۱۹ پر کوہ پایا بتایا ہے) شمالاً جنوباً حصے کو اس نے وضاحت سے نہیں دکھایا۔ مگر اس حصۂ کوہ سے نکلتے ہوئے دریائے کرم، ٹانک زوم، گومل اور اس کے معاون دریائے ژوب اور کم وبیش سارا سال مستقل چلنے والی دہوا، سانگھڑ ، اور کاہا کی ندود کو ہیوں پر مشتمل ایک دریا کو آرستو بوقرا کے قریب سندھ کا معاون بنتے دکھایا ہے۔

یہ تو تھا جغرافیائی ثبوت کہروڑ کو نپٹا گراما تصور کرنے کی تاریخ سے بھی دراصل اس کی شہادت مہیا ہو جاتی ہے۔

۳۹ - سکندرِ اعظم کی آمد (۳۲۶ ق م) سے لیکر بکرماجیت کے بیٹے کی شکست (۶۰۶ء) تک وادی سندھ (سرائیکی وطن) کے سیاسی ردّو بدل کی تفصیل

ذیل میں سکندر اعظم کی ۳۲۶ ق۔م میں آمد سے لے کر ۱۵۰ء تک جب کہ ٹپالمی نے اپنا نقشہ تیار کیا مفصلۃ ذیل تاریخی ردّوبدل ہوئے :-

۱۔ یونانی دور :۔

سکندرِ اعظم کی از مقدونیہ تا وادیٔ سندھ پیش قدمی تاریخِ انسانیت کا سنگِ میل تھی۔ سکندرِ اعظم ۳۲۶ ق م میں وادیٔ سندھ میں آیا۔

۲۔ موریا دور :۔

سکندرِ اعظم کے جانے کے بعد موریا گپتا کی سلطنت ۳۲۱ ق م وادیٔ سندھ میں قائم ہوئی۔ موریا گپتا مگدھ (جنوبی بہار جہاں مہاتما بدھ مبعوث ہوئے) کے نندا حکمرانوں کا رشتہ دار تھا۔ اور نندا خاندان کو یونانی مؤرخین نے شدرا ذات کا کہا ہے۔ یعنی وادیٔ سندھ کی شدرا کا قوم جس کو ایرین نے آکسی ڈرائیکی کہا ہے۔ جو ہڑپہ اور ملتان کے درمیان رہنے والی ملی قوم کے جنوب مغرب کے ہمسایہ حلیف تھے۔ اوچ کو ان کا علاقہ کا مرکز سمجھا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی یاد رہے کہ مہاتما بدھ کا ساکیا خاندان بھی وادیٔ سندھ کے پٹیالہ سے نقل مکانی کر کے بہار کی طرف چلے گئے تھے۔ جہاں گوتم بدھ کپل دستو میں ۵۶۷ ق۔م میں پیدا ہوئے اسی تعلق سے قرآن کریم نے غالباً ان کو ذوالکفل کہا ہے۔ یعنی کپل والے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ایک بڑ کے درخت کے نیچے ان کو نروان حاصل ہوا۔ بڑ کے درخت کا بیج اور پیپل کے درخت کا بیج اور انجیر کے درخت کا بیج یعنی انجیر کا میوہ ایک ہی نباتاتی نسل سے ہیں۔ مگر چھوٹے بڑے۔ بدھ مت آج بھی دنیا کے چار پرانے اور نئے عظیم مذاہب میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔ غالباً سورت تین میں اسی مذہب کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قسم ہے بڑ کے درخت کی جس کے نیچے ہم نے اپنے پیغمبرؑ پر وحی بھیجی اور پھر فرمایا قسم ہے۔ جبل زیتون کی جہاں ہم نے

عیسیٰ م پر روحی بھیجی ۔ وادئ سندھ کے سائیکا خاندان اور اس کے بعد نندا خاندان کا وادئ سندھ سے وادئ گنگا کے بہار اور اڑلیسہ کی طرف نقل مکانی کرنا ۔ غالباً اس خشک سالی کی وجہ سے ہوا ۔ جس کا اوپر کی فصلوں میں پانچہزار سال پہلے دریاؤں کی الٹ پلٹ سے وقوع پذیر ہونا مفصل بتایا گیا ہے ۔ جیسا کہ بعد میں ذکر آئے گا ملی قوم بھی آہستہ آہستہ بالآخر نربدا کے کنارے کے مالوہ کے اجین میں سے ہوتی ہوئی پاٹلی پتر یعنی پٹنہ جا پہنچی ۔ بہار اور اوڑلیسہ کی قریب سمندر میں جغرافیائی پوزیشن اور آب و ہوا وادئ سندھ کے ملتان اور اوچ کے علاقے کی پانچہزار سال پہلے کی آب و ہوا سے مماثلت رکھتی ہے ۔ نندا خاندان کا فرد موریا گپتا اپنے نئے وطن مگدھ کے پاٹلی پتر (پٹنہ) کے حکمرانوں سے اختلاف کی بناء پر اپنے پرانے وطن میں آچھپا اسی وجہ سے اُسے گپتا کہا گیا ہے ۔ یعنی چھپا ہوا ۔ سکندرِ اعظم کے بعد وادئ سندھ میں بغاوت ہوئی ۔ موریا گپتا نے اس کا فائدہ اٹھایا ۔ اور نندا خاندان کی سلطنت کے مغربی علاقے یعنی وادئ سندھ پہ قابض ہوگیا ۔ ملی قوم ضرور اس کی حلیف بنی ہوگی ۔ موریا گپتا کے بعد ۲۷۲ ق ۔ م میں اس کا پوتا اشوک تخت نشین ہوا ۔ جس نے بدھ مت اختیار کیا ۔ چونکہ وادئ سندھ اشوکا کے خاندان کا ابتدائی وطن تھا ۔ اور بدھ مت کے بانی کا وطن بھی یہی وادئ سندھ تھی دین اور سیاست یکجا ہوئی اس لیئے بدھ مت کا رواج خوب پھیلا ۔ ہوسکتا ہے کہ بطلیمی کے نقشہ میں دیا ہوا بودیہ اشوکا کا آباد کیا ہوا اور نام دیا ہوا شہر بدھیہ ہو ۔ کیونکہ اشوکا سے پچاس سال پہلے سکندرِ اعظم کے وقت چناب اور سندھ کے سنگھم کے نیچے ایک مشہور مقام سوگدیا کا محل تھا ۔ سکندرِ اعظم نے پہلے تو چناب اور سندھ کے سنگھم (کہروڑ) پر ایک شہر

کے بنانے کا اپنے گورنر فلپ کو حکم دیا۔ اور اُس نے وہاں جہازوں کے لنگرانداز ہونے کے لئے پختہ گودیاں بھی بنوائیں۔ اور اُمید ظاہر کی کہ یہ شہر دنیا کا مشہور شہر ہوگا۔ اور اس جگہ اس نے یونانی افواج میں سے مناسب تعداد اس علاقہ کے فوجی تحفظ کے لئے چھوڑ دیں۔ یہ یاد رہے کہ سکندر اعظم جیسے نامور جرنیل کی نظر میں یہ ایک اہم مواصلاتی جنکشن تھا۔ جس طرح آجکل کی بڑی لڑائیوں میں ریلوے کے جنکشن کو فوجی اہمیت دی جاتی ہے۔ اس مقام پر قابض جرنیل ایک طرف تو پورے پنجاب کے پانچ دریاؤں پر دسترس رکھ سکتا تھا۔ اور دوسری طرف دریائے سندھ کے راستے باختریہ تک کے علاقے کے مواصلات تک اس کو دسترس حاصل ہو سکتی تھی۔ یہ امر اس ضمن میں قابل ذکر ہے کہ سکندر کا خسر رخسانہ کا باپ آکسی آرٹیز جو باختریہ کا رہنے والا تھا۔ علاقہ پیرا میسی ڈائی۔ یعنی موجودہ پارہ چنار کے راستے دریائے کرم اور دریائے سندھ کے ذریعہ اسی سنگھم پر اُسے آملا تھا (ایرین صفحہ ۲۰۷) اور علاقہ پارہ چنار کے حالات بیان کئے تھے۔ جس کے گورنر طوری ایس پیز کو معزول کر کے اپنے خسر کو گورنر بنا دیا تھا۔ یاد رہے کہ طوری قوم آج بھی وہاں آباد ہے۔

اس سنگھم سے روانہ ہوتے وقت اپنے جرنیل کریٹرس کو ہاتھیوں اور بھاری اسلحہ کے ساتھ دریائے سندھ کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس کے خیال میں اس طرف ہاتھیوں اور بھاری اسلحہ کا چلنا آسان تھا۔ اور مزید برآں اس طرف کے قبائل ابھی حلیف نہ بنے تھے۔ یہ ذکر نشاندہی کرتا ہے کہ دریائے سندھ کے دائیں کنارے اس زمانے میں سیلاب کا رُخ رہا کرتا تھا۔ اس لئے وہ علاقہ زیر آب رہا کرتا تھا۔ سنگھم سے روانہ ہونے کے بعد بہت

جلد ہی وہ سوگدیا کے محل پر پہنچ گیا۔ غالباً یہی وہ مقام تھا۔ جہاں کے رہنے والے سوئی قوم کے افراد اسے احمد پور شرقیہ کے قریب دریا کے کنارے ملے۔ جس کا ذکر اوپر فصل ۷ اور ۲۷ میں کیا گیا ہے۔ میری رائے میں اس وقت کا موجودہ اوچ (احمد پور شرقیہ سے ۱۴ میل غرب کی طرف) ہی سوگدیا کا محل تھا۔ اور اس کے رہنے والے احمد پور شرقیہ کے قریب دریا کے کنارے اسے آملے تھے۔

ایرین اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۰۷ پر کہتا ہے کہ جب وہ سوگدیا کے محل پر پہنچا تو اس نے وہاں بھی ایک نیا شہر بنوایا۔ اس کو قلعہ بند کیا۔ اور پھر وہ ذکر کرتا ہے کہ اس نے وہاں جہازوں کے لنگر انداز ہونے کے لئے پختہ گودیاں بنوائیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ وہ چناب اور سندھ کے سنگم پر ایک نیا شہر بھی بنوایا، اور پختہ گودیاں بھی یہاں بھی اس نے وہی کچھ دوبارہ بنوایا کیوں؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہاں بھی کوئی دریا، سندھ میں آملتا تھا۔ مورخین اکثر گلہ کرتے ہیں کہ ایرین نے ستلج کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ کیا یہ ستلج کا دریائے سندھ کے ساتھ سنگم تھا۔ احمد پور شرقیہ کا محل وقوع کچھ ایسا ہے کہ یہ شہر دونوں طرف جنوب اور شمال میں پانچ نہروں سے گھرا ہوا ہے (جنوب میں تھملیے، پکھی وار، مائنر۔ محل مائنر۔ قطب واہ، شمال میں بہاول واہ، سلطان واہ اور رسول مائنر) یہ نہریں موجودہ نہری نظام کی دریائے ستلج کے متوازی چلنے والی بہاول کینال اور احمد پور برانچ سے ۶۰ میل لمبے محاذ کے مختلف مقامات سے نکلتی ہیں۔ جو اسرانی سے (اسرانی کے مقام کو ذہن میں رکھیں) خود احمد پور شرقیہ کے سامنے شمال تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن یہ تمام نہریں طویل اور قلیل مسافتیں طے کر کے احمد پور شرقیہ کے جنوب میں شمال مغرب کے رخ اور

احمد پور شرقیہ کے شمال میں جنوب مغرب کے رُخ ایک قلیل ۶ میل کے محاذ میں مرکوز ہو کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر ان پانچوں نہروں کی ٹیلوں کو اپنے اپنے رخ پر آگے بڑھا دیا جائے تو اوچ سے ۱۰ میل جنوب میں موجودہ چنی گوٹھ کے مقام پر مشہور قدیم دریائے سندھ کی گذرگاہ ترکڑی ڈھورہ میں جا پڑیں گی۔ آپ جانتے ہیں کہ طغیانی کی نہریں اور نئے نہری نظام میں اپنائی ہوئی پرانی نہریں قدیم دریائی نشیبوں کے دائیں یا بائیں کنارے بنائی جاتی تھیں۔ لہذا یہ امر شاہد ہے کہ احمد پور شرقیہ زمانۂ قدیم سے دریاؤں کے کنارے رہا ہے۔ پہلے سندھ پر پھر اس کے پیچھے آنے والے چناب پر اور ممکن ہے اس کے پیچھے آنے والے بیاس پر سکندرِ اعظم کے وقت تک دریائے ستلج کے بچھڑے ہوئے ہریانوی معاون گھگھر چتر نک وغیرہ اپنا پانی پانچ ہزار سال پہلے چھوڑے ہوئے نشیب میں احمد پور شرقیہ تک لائے تھے۔ ۴۷۶ سال بعد پٹالمے کے وقت میں غالباً یہ پانی اس وقت کے اُسی گراما تک پہنچتا ہو گا۔ اس لئے سکندرِ اعظم نے احمد پور شرقیہ کے اس سنگھم پر قلعہ بند شہر بھی بنوایا۔ اور پختہ گودیاں بھی ۔ ۴۷۶ سال بعد میں آنے والے پٹالمے نے اس شہر کو دریائے سندھ کے شرق میں نوا گراما دکھایا ہے۔ دریائے سندھ اس شہر کے قریب سے ہٹ کر آرسٹو بوتھرا یعنی اوچ کے قریب شرق میں جا پہنچا تھا۔ اصی محل سو گدیا یعنی اوچ پر سکندرِ اعظم کے پچاس سال بعد آنے والے اشوک اعظم نے اپنا پایا تخت قائم کیا۔ جس کو پٹالمے نے آرسٹو بوتھرا کہا ہے۔ کہروڑ اور اوچ کے درمیان پرندے کی اڑان ۲۴ میل فاصلہ ہے۔ دریائی راستہ گھوم گھام کی وجہ سے ڈیڑھ گنا سو میل سمجھا جائے۔ ایرین کی تاریخ کے مطالعہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے

Scanned by CamScanner

کرکہر ڈر سے کم مسافت پر اگلا پڑاؤ یہی سو گدیا تھا۔

۳:- باختری دور

موریا گپتا خاندان کے انجام پر باختریہ میں مقیم یونانی حکمران ڈیٹرس پنجاب اور افغانستان میں ۱۸۰ ق۔م میں گھس آیا۔ کیونکہ اس کے ایک رقیب یوکریڈس نے ۱۸۵ ق۔م میں اس کا علاقہ باختریہ چھین لیا۔ اسی وقت سندھ کے صوبہ میں ایک اور باختری مینندر ایک معمولی جھگڑا کھڑا کر کے قابض ہو گیا تھا۔ اور ۱۳۰ ق م تک پنجاب تک قابض ہو گیا۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ رحیم یار خان سے ۲۰ میل دور غرب میں ایک مشہور مقام سیوراہی (راۓ ساہسی کے چھ قلعوں میں سے ایک) کے متعلق ایک روایت مشہور ہے کہ وہاں کا رئیس مینندر ایک شہزادی مومل پر عاشق تھا۔ اسی روایت میں سندھ کے باختری حکمران کے نام کی صدائے بازگشت ہے (دیکھیئے بہاول پور گزیٹر۔ سرداہی)۔

۴- ساکا دور

باختریوں کے بعد ۱۳۰ ق م میں مشرقی ترکستان میں رہنے والے ترکی یا منگولین نسل کا ساکا قبیلہ شمال سے کراکرم کے راستے وادئ سندھ میں گھس آیا۔ ان کو ان کے قبیلہ کے ایک دوسرے حصہ نے جن کو یوچی کہتے ہیں، نکال دیا تھا۔ یہ افغانستان پنجاب اور سندھ پر قابض ہو گئے ۹۰ ق۔م میں ان کا ایک مشہور بادشاہ عیزس تھا۔ پتا لمے کے زیرِ نظر نقشہ میں بودیہ کے قریب ہی دریا کے کنارے ازیکا کا شہر دیا ہوا ہے۔ جو غالباً اسی عیزس کے نام پر رکھا گیا ہو گا۔ موجودہ اوچ جس کو ہم آرسٹوبوتھرا سمجھتے ہیں کے قریب ۱۶ میل غرب میں ایک قدیم شہر اتک آباد ہے۔ جس کو سیت پور

کہتے ہیں ۔ اغلب ہے کہ یہ شہر اسی سیتھین قوم کے نام پر مشہور ہوا ہو بعض مؤرخوں نے ستھی آستان کے شہر کا بھی ذکر کیا ہے ، جو بگڑ کر سیت پور ہو گیا ہے ۔

۵ ۔ انڈو پارتھین دور

ہر فرعون را موسیٰ کے مصداق ۶۰ ق م میں ساکا مملکت کے غرب والی پارتھین قوم نے ساکا کو ایران میں للکارا ۔ ساکا حکمرانوں کو مجبوراً وادی سندھ کی افواج کو وہاں سے جانا پڑا ۔ ملتان اور ہڑپہ کے درمیان بسنے والی جنگجو ملی قوم کے تمام قبیلوں نے جس نے سکندرِ اعظم کا مقابلہ کیا تھا اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ۔ اور یکجا ہو کر ساکا پر حملہ کر دیا ۔ اور کہروڑ کے مقام پر ۵۷ ق م میں ان کو شکستِ فاش دے کر ملک سے باہر نکال دیا ۔ سکندرِ اعظم کی نظر میں نیٹا گرا یا یعنی کہروڑ کی فوجی اہمیت کا یہ ایک ثبوت ہے (دیکھیے تاریخ ہند انگریزی مصنف اے ۔ الیف روڈلف ہورنل مطبوعہ ۱۹۰۳ء اوڑلیہ مشن پریس کٹک) غالباً اسی فتح کی یادگار میں ملی قوم نے سمبت ملاداجاری کی ، جو بعد میں بکرماجیت کی وادی سندھ کے ایک دوسرے غیر ملکی حملہ آور سفید ہن قوم کو ۵۲۵ء میں شکست دینے کی یادگار میں سمیت بکرمی کہلانے لگی ۔ بکرماجیت بھی ملی قوم سے تھا ۔ جو نربدا کے کنارے مالوہ میں اوجین کا بادشاہ تھا ۔ جس نے صدیوں بعد ۵۱۵ء میں وادی سندھ کے اس قبیلہ کو غیر ملکیوں پر ایک بار پھر فتح دلوائی ۔ ملتان میں ایک کہاوت درج ہے ۔

ننگل جنہاں دی ڈاڈی سوڈی جنہاں دی ما
مل دے پنج پتر
بھٹہ ، نایئے ۔ ڈاہر، شیجرہ ، لنگاہ

Scanned by CamScanner

یہ امر قابلِ ملاحظہ ہے کہ تلی قبائل کا شجرہ انہی پانچ سے جاری ہو گا۔ اور اس طرح پورا مغربی پنجاب اور شمال مغربی سندھ کے تمام موجودہ قبیلے تقریباً تقریباً انہیں کی شاخیں ہوں گی۔

ساکا قوم کی غرب میں پارتھین قوم کے ہاتھوں شکست اور شرق میں یعنی وادیٔ سندھ میں یُی قوم کے ہاتھوں شکست کے بعد ایک انڈو پارتھین بادشاہت قائم ہو گئی۔ جس کا ایک مشہور بادشاہ گنڈیفارس ہوا۔ جو ۲۰ء میں حکمران بنا۔ یعنی کہرڑ کے مقام پر لڑائی کے ۷۷ سال بعد حکمران ہوا۔ غالباً ڈیرہ اسماعیل خان کا گنڈاپور قبیلہ اسی بادشاہ کی یادگار اولاد ہے۔

۶۔ کشنا دور

گنڈیفارس، انڈو پارتھین دور کا آخری بادشاہ ثابت ہوا۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ۱۶۰ ق م میں ساکا قوم کے ستھین حصّہ کو اس کے دوسرے حصّہ یوچی نے ۱۶۰ ق م میں (صفحہ ۴۶) ان کے وطن مشرقی ترکستان سے نکال دیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ وادیٔ سندھ اور ایران میں گھس آئے تھے۔ اب اسی ساکا قوم کے ایک تیسرے قبیلے نے جس کو ولفریا استین کہتے تھے۔ اپنے وطن مشرقی ترکستان سے یوچی قبیلہ کو مغربی ترکستان میں دھکیل دیا۔ جہاں وہ دریائے آکسس کے دونوں کناروں پر آباد ہو گئے۔ یوچی قبیلہ کے پانچ حصّے تھے۔ جن میں سب سے بڑا کشنا قبیلہ تھا۔ اس کے سردار کڈفیس اوّل نے اپنی قوم کے پانچوں قبیلوں کو متحد کر لیا۔ اور افغانستان کو فتح کرنے چل پڑے۔ اور پھر وادیٔ سندھ کی انڈو پارتھین حکومت پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گجرات کے ساکا کے

صوبیداروں نے انڈوپارتھین حکومت سے خود مختاری کا اعلان کردیا۔ یہ ۸۰ء کا ذکر ہے۔ اور اسی سال سے ساکا سمبت رائج ہوئی۔ کڈفسس اوّل نے انڈوپارتھین حکومت کا خاتمہ کردیا۔ (غالباً مروٹ اور ڈیراور کے درمیان میں کڈو والا اسی کڈفیسس کی یادگار ہوگا) اور اس کی بجائے کُشنا سلطنت قائم کردی۔ مگر یہ سلطنت کشمیر اور پنجاب اور بہاول پور سے آگے نہ بڑھی اوچ سے ۱۴ میل مشرق والے احمد پور شرقیہ سے ۱۲ میل دور شرق والے سوئی وہار کے کتبہ سے پایا گیا ہے کہ یہ وہار اسی کُشنا خاندان کے راجہ کنشکا کے وقت میں اس کی تخت نشینی کے گیارہ سال بعد ۱۳۶ء میں تعمیر ہوا۔ اس بادشاہ کے وقت میں کُشنا سلطنت کا عروج تھا۔ یہ بادشاہ غالباً ۱۲۵ء میں تخت پر متمکن ہوا۔ اور بدھ مذہب اختیار کرلیا۔ اس تبدیلیٔ مذہب کی یادگار میں اس نے ایک میڈل جاری کیا۔ جس پر گوتم بدھ کی شکل کندہ کردی گئی تھی یہ میڈل ۱۵۲ء میں جاری ہوا۔ اس طرح یہ ثابت ہوگیا کہ ٹپالمے کے نقشہ میں وادیٔ سندھ کی جغرافیائی حالت اسی راجہ کنشکا کے وقت کی ہے۔ ممکن ہے کہ کنشکا نے اشوک کے شہر آرسٹوبوتھرا کو اپنے قبیلہ کے نام پر یوچی رکھ دیا ہو۔ جس سے وہ اوچ مشہور ہوا۔ مشرقی ترکستان جہاں سے یوچی آئے تھے اور جواب روسی ازبکستان کہلاتا ہے۔ آج بھی دو شہر اوچ کرمان اور اوچ اوچک کہلاتے ہیں۔ تاشقند کا موجودہ شہر ان کے قریب ہے موجودہ اوچ سے ۸ میل شرق کی طرف موجودہ شہر کوٹلہ موسیٰ خان کے قریب ایک بہت بڑا ویران ٹیلہ پڑا ہوا ہے۔ یہ قدیم شہر کا ویرانہ دھمراؤ کا ٹبہ کہلاتا ہے۔ اس ویرانے کے کنارے پر سوئی وہار کی شکل کا ایک وہار بھی اب تک موجود ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ کی نظروں سے دور اس وہار کے کچے اینٹوں کے

میاز کے درمیان اسی طرح کا کھلا سوراخ ہے جس طرح کہ سوراخ کی تہہ پر سوئی ویہاڑ
میں تانبے پر کندہ تفصیلی کتبہ برآمد ہوا تھا۔ مقامی روایت پر مشہور ہے کہ دھمراؤ کا ٹبہ اور اس
سے ۸ میل غرب میں قدیم اوچ اور اس سے ۱۶ میل غرب میں سیت پور مختلف ایام کے
اوچ ہیں۔ اس دھمراؤ کا ٹبہ سے ۵ میل جانب جنوب اور احمد پور شرقیہ سے ۵ میل جانب
شمال ایک بلند و بالا فصیل دار قلعہ ہے۔ جس کو محمود شہید کہتے ہیں۔ اس کی بلندی پر
ایک طویل قبر ہے۔ جو بدھ مت کے زمانہ کی کندہ پتھروں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اس سے
۲ میل مشرق میں ایک ویرانہ ہے۔ پختہ اینٹوں کے ملبہ سے پر۔ جسکو گکڑ ویہاڑ
کہتے ہیں۔ اسی ویہاڑ کے ویرانے کے ساتھ اردگرد کھاڑک قوم رہتی ہے۔ ممکن
ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی یادگار ہوں۔ گکڑ دراصل کھاڑک ویہاڑ ہو۔
اسی ویہاڑ کے جنوب میں کوئی ۵ میل پر احمد پور شرقیہ سے ۴ میل شرق میں
ایک بہت بڑا ویرانہ ہے، جس کو آپاپورہ کا ٹبہ کہتے ہیں۔ یعنی دریا کے کنارے
والے شہر کا ویرانہ، آپا کا سنسکرت لفظ عربی لفظ حیفہ سے مشتق ہے جس کے
معنی کنارے کے ہیں اور پورہ کے معنی دریا کے ہیں۔ یہ سنسکرت لفظ عربی
لفظ فرع سے مشتق ہے۔ جس کے معنی گھاؤ یا کھیل کے ہیں۔ دریا بھی ایک گھاؤ
ہوتا ہے۔ اس طرح سوئی ویہاڑ کے عین سامنے شمال کی طرف ۵ میل پر ایک اور ویرانہ
(موجودہ کلانچ والہ اسٹیشن کے شمال کی طرف) ہے، جس کو بھی آپا پورہ کا ٹبہ کہتے
ہیں، میرا قیاس ہے کہ شہر اور ویہاڑ دریا کے مقابل کناروں پر ہوتے تھے۔ یہاں
یہ کہہ دینا بھی ضروری ہے کہ احمد پور شرقیہ کا شہر خود بھی ایک بلند ویرانہ قدیم پر آباد ہے
(بموجب بہاولپور گزیٹیئر) جس کو میں نے اس فصل میں اوپر موریا گپتا دور کے

Scanned by CamScanner

ذکر میں سکندر اعظم کا بنایا ہوا ستلج کے سنگم پر بندرگاہ شہر بتایا ہے۔ جس کو ٹالمی نے اپنے نقشہ میں تواگراما دکھایا ہے۔ گیارہویں صدی میں ادریسی نے اسی سندور کا ذکر کیا ہے۔ جس سے مراد سکندر کا بسایا ہوا نیا شہر ہے۔ جو بعد میں سندور کہلانے لگا۔ احمد پور شرقیہ سے دس میل دور مغرب میں موضع کلاب کے اندر پختہ سڑک کے قریب ایک نشیب کے کنارے پر جسے داہن کہتے ہیں۔ ایک پرانا ویرانہ (سکھڑ) پڑا ہے۔ غالباً یہی قدیم زمانے کا کلاب تھا۔ جیسے بعض عرب مورخین نے غالباً پنجاب کے پانچ دریاؤں کے اتصال پر واقع شہر دوشاب کہا ہے یعنی دریا کا کنارہ۔ اور داہنی سے مراد غالباً داہندہ ہے جو دریائے سندھ کا نام ہے۔ کلاب کی لفظی ترکیب بھی دراصل کلا آب ہے۔ یعنی پانی کا کنارہ کلانسر کو بھی کہتے ہیں۔ جیسے کلا پاچہ یہ عربی لفظ کلہ ہے۔ جس سے یونانی لفظ کیلی مراد ہے۔ ایسی ترکیب لفظی یونانی مورخ ایرین کی کتاب سکندر اعظم میں بھی موجود ہے۔ اس نے ایک شہر کو بینی کلائنٹس کہا ہے۔ یعنی دریا کے ساتھ والا شہر جنرل کنگھم نے اُسے پشاور کا چارسدہ سمجھا ہے۔ مگر میں نے اپنی کتاب، سکندر اعظم اور پٹھان، عرمر اور اعوان، میں اس کو ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کا کم معروف شہر بنیالہ ثابت کیا ہے۔ اسی کلاب کے جنوب میں چولستان کے اندر بارہ میل دور ایک اور پختہ ویرانہ پڑا ہے۔ جو غالباً اسی داہنی کے جنوبی کنارے پر تھا جو وہاں گولائی کھا کر پہنچتا تھا۔ اور پھر شمال اور غرب کی طرف گولائی کھا کر ایک اور قدیم ویرانے کے ساتھ گذرتا ہوا مشہور ترکڑی ڈھور سے میں جا پڑتا تھا۔ یہ مقام اتصال اور ویرانہ کلاب سے ۸ میل غرب میں اور موجودہ مقام چنی گوٹھ سے ۴ میل غرب میں ہے۔ چنی گوٹھ خود بھی ایک بلند و بالا

Scanned by CamScanner

فراز پر قدیم شہر معلوم ہوتا ہے، جو اب بھی آباد ہے۔ اسی چنی گوٹھ کے ملحق مشرق میں ایک موضع ٹھہند ہے جس کا آئینِ اکبری میں بھی بیرون پنجند کے محالوں میں ذکر آتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی میں عرب مؤرخ ادریسی کا بنایا ہوا شہر سمند یہی چنی گوٹھ ہے۔ جو آئینِ اکبری کے وقت ٹھہند ہو گیا۔ ادریسی کہتا ہے کہ سندور ایک خوشحال اور آباد شہر ہے۔ جو ایک دریا کے کنارے پر ہے جو دریائے مہران میں سمند کے مقام پر آ پڑتا ہے اس ترکیب تحریر سے مؤرخین کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ سندور اوچ تھا۔ کیونکہ وہ اب دریائے ستلج کے بائیں کنارے پر ہے۔ اور ستلج پنجند کے مقام پر دریائے چناب میں مل کر چالیس میل دور سندھ (مہران) میں جا پڑتا ہے۔ اور سندور کو وہ سکندر اعظم کا بنایا ہوا شہر سکندریہ سمجھتے ہیں۔ جو اس نے چناب اور سندھ کے سنگم کے اوپر کونے میں بنوایا تھا۔ یہ قیاس دریاؤں کی عادات سے ناواقفیت پر مبنی ہے کہ وادئ سندھ کے دریا ایک مقام پر دو ہزار سال تک نہیں رہ سکتے۔ بلکہ صدیوں کے اندر وہ شمال اور عرب میں کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہیں۔ میرے خیال میں ادریسی نے اسی چنی گوٹھ کو سمند کہا کیونکہ چنی گوٹھ جیسا کہ میں اوپر (اسی فصل کے تاریخی دو نمبر ۲) لکھ آیا ہوں۔ ہزاروں سال تک دریائے سندھ پر ایک ساکن مقام رہا ہے۔ اور چنی گوٹھ سے فیروزہ تک ترکڑی ڈھورہ اور اس کے جنوب کی طرف کے علاقہ کی جغرافیائی حالت سے عیاں ہے کہ یہ دریائی راستہ ہزارہا سال تک دریائے سندھ کا ایک ساکن حصہ رہا ہے۔ دریا اوپر اور نیچے بدلتا رہا۔ مگر یہ حصہ ہمیشہ قائم رہا۔ فیروزہ کے نیچے جیٹھ بھٹہ خانپور سے لیکر صادق آباد تک موجودہ ریلوے لائن کے نیچے سیلاب کی متعدد وسیع

وعریض گذرگاہوں کی موجودگی اور پنجند اور پنجند نہر کی شاخوں اور ان سے نکلنے والی آبِ حیات نہر ترنڈا نہر اور صادق برانچ نہر کے ریلوے لائن کے جنوب طرف بہاؤ کے رُخ اور سمت سے صاف عیاں ہے کہ پتن منارہ کا قدیم اور مشہور ویرانہ (رحیم یار خان سے ۵ میل جنوب مشرق میں) چنی گوٹھ سے فیروزہ تک ترکڑی کے راستے بہہ جانے والے دریائے سندھ کے رُخ کا ہزار دں سال مرکز رہا۔ جس طرح چنی گوٹھ کے اوپر دریائے سندھ احمد پور شرقیہ کے جنوب اور شمال میں شمال مغرب اور جنوب مغرب کے رُخ چنی گوٹھ پہنچتا رہا۔ اسی طرح فیروزہ اور رحیم یار خان کے درمیان دریائے سندھ جنوب مغرب کے رُخ تین مختلف مقامات پر خانپور ترنڈہ اور رحیم یار خان پر مڑکر پتن منارہ کے شرق اور غرب پر پہنچتا رہا۔ آبِ حیات اور ترنڈہ ڈسٹری بیوٹری پتن منارہ سے ۴ میل کے اندر اندر مشرق میں پہنچ جاتی ہے۔ صادق برانچ ایک عریض ترین چھ موہری گذرگاہ کے قریب ریلوے لائن کو گذر کر پتن منارہ کے غرب میں ایک میل تک پہنچ جاتی ہے۔ پتن منارہ کے اردگرد بلند و بالا بندر دروازہ، کھوکھر، مئو مبارک، تاجگڑھ، پھول وڈا، نوشہرہ اور ترنڈی بیجڑی کے علاوہ کئی چھوٹے بڑے ویرانوں کے آثار سے گھرا ہوا ہے۔ یہ اس کے مسلسل اور طویل ہزارہا سال کی تمدنی عمر کا ثبوت ہے۔ اسی پتن منارہ سے راقم کو ایک چاندی کا سکہ ملا تھا جسے لاہور کے ماہرین آثار قدیمہ نے انڈو پارتھین سکہ بتایا تھا۔ جس کا ممکنہ عہد ۵۰ ق م (سیتھین کی شکست) سے ۸۰ عیسوی (کشن کی آمد) تک ہو سکتا ہے یہ سکہ اب امیر آف بہاولپور کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ ان تمام تفاصیل سے قارئین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ موہنجو داڑو، پتن منارہ، چنی گوٹھ اور احمد پور شرقیہ تاریخ وادی

سندھ کے چار قدیم ترین شہر ہیں۔ جنکی طرف دریائے سندھ اپنے مخالف راستوں پر مرکوز رہا۔ میں نے یہ تفصیل اس غرض سے دی ہے کہ ٹپالمے کے نقشہ میں دیئے ہوئے دریا کے راستوں اور اس پر آباد دکھائے ہوئے شہروں کو انہی ویرانوں میں تلاش کرنا پڑے گا۔

۷۔ گپتا دور

کنشکا کے بعد ہووشکا اور واسودیو کے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ اور ان کا عہد ۲۲۵ء تک جاری رہا۔ اس خاندان کے باقی عہد کے حالات کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ البتہ یہ سلطنت آہستہ آہستہ زوال پذیر ہوئی جس کا ایک سبب تو ایران میں ساسانی خاندان کے حملے تھے جس کا آغاز ۲۲۶ء میں ہوا۔ اور دوسرا سبب ہندوستان کی دوسری سلطنت، گپتا سلطنت کا آغاز تھا۔ ۲۸۰ء میں مگدھا میں ایک شخص گپتا رہتا تھا۔ جو غالباً وادئ سندھ کے شدرا کا قبیلہ سے تھا۔ جن کو عام فہم نام شودر دیا جاتا تھا۔ خدا جانے کیا وجوہات تھے۔ وہ مگدھ کا بادشاہ بن گیا۔ اس کے پوتے چندرگپت اوّل نے بااثر خاندانوں میں شادی کر کے اپنی سلطنت کو وسیع تر کر دیا۔ اور ہندوستان کی سلطنت گپتا کی بنیاد ۳۲۰ء میں ڈالی۔ اس کا بیٹا سمدرا گپتا ۳۲۶ء سے ۳۷۵ء اس خاندان کا مشہور بادشاہ ہوا۔ اس کی سلطنت میں تمام برصغیر ہند شامل تھا۔ سوائے مشرق کے بنگال اور مغرب کی ساری وادی سندھ اور گجرات کے۔ بعد میں اس کے بیٹے چندرگپت ثانی (۳۷۵-۴۱۳ء) کے وقت میں بنگال اور گجرات کو شامل کر لیا گیا۔ مگر وادئ سندھ پھر بھی باہر رہی۔ کیونکہ کشنا خاندان کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم تھیں۔ جو پانچویں صدی کے نصف تک کابل اور پشاور تک سکڑ کر رہ گئی وہ چھوٹی

کشنا سلطنت کہلاتی تھی۔ چندر گپت ثانی کے بیٹے سکند گپتا کے وقت (۴۵۵ء۔۴۶۷ء)
میں خدا جانے کیا ہوا۔ کہ سلطنت بہت کمزور ہو گئی۔ مغرب کی طرف کے نیم خود مختار
بادشاہوں نے زور پکڑا جو ساکا اور کشنا قبیلوں کی اولاد سے تھے۔ سکند گپتا کو ان
کے علاوہ ایک اور نئی مصیبت سے واسطہ پڑا۔ یہ مشہور عام سفید ہن قوم تھی،
جو ہندوستان میں آگھسی۔ یہ ایک منگول قوم تھی جو وسط ایشیا میں رہتی تھی (صفحہ ۸۱
تاریخ ہند ہوعزلی)۔ اس نے اُکس کو ۴۶۵ء میں کابل اور گندھارا کی چھوٹی کشنا سلطنت
کو شکست دی۔

۸۔ سفید ہن دور

ٹل کشنز کو شکست دینے کے بعد یہ قوم جس کو بعض مؤرخین نے ہیتل یا
ہایاتل (ایچ۔ اے۔ وائی۔ اے۔ ٹی۔ اے۔ ایل) کہا ہے۔ وادیٔ سندھ کی
طرف بڑھی۔ آج بھی اوچ سے ۱۰میل شمال مشرق اور احمد پور شرقیہ سے ۱۰میل شمال
میں ایک بلند و بالا آباد قصبہ، ہتیجی ان کی یادگار ہے۔ جو غالباً ہیتلی سے بگڑ کر ہتیجی
ہو گیا ہے۔ اور غالباً ہن قوم کے بادشاہ مہرگولا کی یادگار گولا قوم جو اب گھلو کہلاتی
ہے۔ قریب ہی دریائے ستلج کے کنارے ۲۵ میل کی لمبائی میں مسلسل آباد ہے
اس کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا۔ (سراولف کیرو۔ پٹھان) پنجاب اور سندھ سے گزر
کر یہ قوم گجرات سے پار مشرقی مالوہ تک جا پہنچی۔ جہاں وادیٔ سندھ کے دریاؤں
کی ادل بدل اور نتیجۃً خشک سالی اور غیر یقینی اقتصادیات کی وجہ سے ملتان کی
ملی قوم ۵۷ قوم میں ساکا قوم کو شکست دینے کے بعد آہستہ آہستہ جا بسی تھی۔ یہاں
تک اس سفید ہن کے اس وقت کے لیڈر تورا مانا نے ۵۰۰ء میں گپتا سلطنت۔

Scanned by CamScanner

کے غربی حصہ پر قبضہ جمالیا۔ یہ وقت وہ تھا جب گپتا سلطنت کے مشرقی حصے کا سکند گپتا کا سوتیلا بھائی پوراگپت وارث بنا۔ اور اس کے بعد جلد ہی ۴۸۵ء میں پوراگپتا کا بیٹا نرا سیما گپت تخت پر بیٹھا۔ اس کے دور (۵۱۰ء) ہی میں تورا مانا کا بیٹا مہر گولا اس کے بجائے ہن سلطنت کا مالک بنا۔ یہ بڑا ظالم اور جابر حکمران تھا۔ اور اس کے ظلم وجبر نے اس کے تمام زیرنگیں علاقے میں بغاوت پھیلا دی۔

اس بغاوت کا سرغنہ مالوہ قوم کا سردار یسودھرمن تھا۔ جس کی امداد والابھی کے حکمران دروناسیمہا نے کی۔ جس کے نتیجے میں ۵۲۵ء میں ہن قوم کی طاقت کو توڑ دیا گیا۔ مشہور ہندو مصنف کالی داس نے اپنی تصنیف "راگھوومسا" میں ان تمام واقعات کا ذکر کیا ہے۔ جس میں جیسا کہ آگے چل کر ذکر آئے گا۔ مبالغہ زیادہ تھا۔ اور حقیقت کم تھی۔ کالی داس نے یہ صحیح لکھا ہے کہ یسودھرمن نے سفید ہنوں کو انڈس کے کنارے تک بھگا دیا۔ یعنی وادئ سندھ پر سفید ہن بدستور قابض رہے۔ مگر کالی داس کا یہ قول کہ وہ کشمیر میں بھی چلا گیا تھا۔ صحیح نہیں ہے۔ اس کامیابی کے بعد یسودھرمن نے گپتا سلطنت کے مشرقی حصہ کی طرف توجہ دی۔ جہاں نرا سیما کے بعد اس کا بیٹا کمار گپتا دوم تخت پر متمکن تھا۔ لیکن سلطنت کمزور ہو چکی تھی۔ یسودھرمن نے ۵۲۹ء میں اسے تخت سے علیحدہ کر کے خود قبضہ کر لیا۔ اور وشنو وردھان کے نام سے حکومت کرنے لگا۔ اور اس طرح ملاوا خاندان کی حکومت قائم کر دی۔

9- ملاوا دور

وشنو وردھانا کا زمانہ سلطنت مالوہ کے حکمران کی حیثیت سے ہندوستان کی تاریخ کا سنہری زمانہ گنا جاتا ہے۔ اس کی حکومت کے دور کا تذکرہ تارن چینی یعنی

Scanned by CamScanner

واقعاتِ کشمیر میں پایا جاتا ہے۔ اس کے مطابق اس نے کشمیر پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ یہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ وشنو وردھانا کی فتوحات کے یادگار ستونوں پر لکھے ہوئے بعض واقعات مبالغہ آمیز ہیں۔ جیسا کہ نیچے اس کے بیٹے کے تذکرہ میں وضاحت کی جائے گی۔ اپنی فتوحات کی مشہوری کی وجہ سے وشنو وردھانا ہمیشہ عوام کے دلوں میں دکرمادیتا یعنی فرزندِ شجاعت کے نام سے مشہور رہا۔ اور عام طور پر وہ راجہ بکرما مشہور رہا۔ کیونکہ راجہ بکرما اسی ملی قوم سے تھا۔ جس نے وادی سندھ میں رہائش کے دوران ساکا قوم کو ۵۷ ق م میں کہروڑ پکا کے مقام پر شکست دی تھی۔ اور اس دفعہ اس نے مالوہ کے حکمران کی حیثیت سے سفید ہن قوم کو وادی سندھ کی طرف واپس دھکیل دیا تھا۔ اس لئے ملاوا قوم نے اپنے ملاوا سمبت کو جس کا آغاز ۵۷ ق م سے ہوا تھا سمبت بکرمی کا نام دے دیا تھا۔ جو آجتک ہندو بھارت میں رائج ہے۔ (سنِ عیسوی پر ۵۶ جمع کرنے سے سمبت بکرمی مل جاتی ہے)

ایک طویل اور خوشحال دورِ حکومت کے بعد راجہ بکرما ۵۸۵ء میں فوت ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا سیلادتیہ اس کا جانشین بنا۔ لیکن یہ ایک مختلف کردار کا مالک تھا۔ اس نے باپ کی ہن دشمن پالیسی کو تبدیل کر دیا۔ یہ امر خود ہی ثابت کرتا ہے کہ ہن قوم وادیٔ سندھ میں اور از کابل تا کشمیر قابض اور موجود تھی۔ جس کے خلاف وشنو وردھنا برسرِ پیکار رہتا تھا۔ اس پالیسی کی تبدیلی کی وجہ سے اس کے بہت سے باج گذار راجے مخالف ہو گئے ان باغی اتحادیوں کا سرغنہ پیرابھاکاردردھنا جو تھانیسر (موجودہ ہریانہ) کا راجہ تھا۔ یہ بہت بڑا بااثر شخص تھا۔ اس کی گپتا خاندان اور موجودہ ملاوا خاندان کے ساتھ رشتہ داری تھی۔ اس باغیانہ مہم کے نتیجے میں ۵۹۲ء میں سیلادتیہ کو تخت سے معزول کر دیا گیا۔ لیکن

Scanned by CamScanner

اس نے جلد ہی کشمیر کے ہن بادشاہ پر دارابسینا دوم کی مدد سے اپنا تخت واپس لے لیا۔ یہ امر بھی شاہد ہے کہ ہن قوم کشمیر، کابل، اور پوری وادئ سندھ پر قابض رہی۔ لیکن اس کے خلاف بغاوت سرد نہ پڑی اور بالآخر پرابھاکاروردھنا کے بڑے بیٹے تھانی سر کے راجہ وردھنا نے ۶۰۶ء میں اسے ایک بڑی جنگ میں شکست دے دی اور اس کے راج کا خاتمہ ہو گیا۔ راجہ واردھنا نے اس کے بیٹے بھانڈی کو ان کے آبائی صوبہ مالوہ کا حکمران بنا دیا۔ جہاں بھانڈی کی اولاد ۸۰۰ء تک حکمران چلی آئی۔

۴۰۔ سکندرِ اعظم کی آمد (۳۲۶ ق م) سے پہلے ہیروڈوٹس کی تواریخ اور ایرین کی تاریخ، سکندرِ اعظم، میں سے وادئ سندھ اور اس میں مقیم اقوام کے تذکرہ کی تلاش

گذشتہ فصل ۳۹ میں برصغیر ہند و پاک میں سکندرِ اعظم کی آمد کے بعد سے تا ۶۰۶ء تین متحدہ سلطنتوں کا ذکر یکے بعد دیگرے آ چکا ہے۔ موریا خاندان، گپتا خاندان، اور ہلا دا خاندان برسرِ اقتدار آئے تاریخ کے اوراق میں سکندرِ اعظم پہلا غیر ملکی غنیم تھا، اس کے بعد غیر ملکی غنیم یکے بعد دیگرے ان تینوں سلطنتوں کے عہد میں آتے رہے۔ جس کا اوپر تفصیلی ذکر آ چکا ہے۔ لیکن ان کی نظر ہمیشہ

Scanned by CamScanner

وادیٔ سندھ کی زرخیزی اور خوشحالی پر رہی۔ اور وہ اکثر باران کی حدود سے باہر نہ بڑھے کشمیر اور جمنا کے کنارے والے متھرا۔ اور گجرات تک اگر بعض حملہ آور پہنچے تو وہ صرف اس نظریہ کے تحت کہ وادیٔ سندھ کی حدود پر کے علاقے یعنی ان کے نئے وطن کے تحفظ کی خاطر ان کے قبضے میں رہیں۔ جس کے اندر ان پر حملہ کرنے والوں کا پہلے ہی قلع قمع کر دیا جائے۔ دوسرا امر جو پچھلی فصل ۲۷ سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سفید ہن قوم کو بکرماجیت بھی وادیٔ سندھ اور کشمیر سے باہر نہ نکال سکا بکرماجیت ہڑپہ اور ملتان کے گردونواح کی ملی قوم کا فرد تھا۔ جو سکندر اعظم کے بعد غیر ملکی حملہ آوروں کی پیہم یلغار اور وادیٔ سندھ میں دریاؤں کے ہٹنے سے بڑھتی ہوئی خشک سالی سے بچاؤ کی خاطر اپنے اقتدار کو اپنے وطن میں ترک کر کے دریائے نربدا کے کنارے آ آباد ہوئی اور جہاں تاریخ کا مشہور مالوہ ان کے اقتدار کی نئی سرزمین بنی لیکن ملی قوم من حیث القوم اپنے پرانے وطن میں بستی رہی۔ بموجب ملتان گزیٹیر شجرہ، لنگاہ۔ ڈاہر، بھٹہ اور نائیچ اقوام آج بھی ملی قوم کے پرانے ٹھکانوں میں آباد ہے۔ برصغیر کی تقسیم کے وقت تک ایک ہندو ذات مل ملتان اور بہاولپور میں آباد رہی اور غالباً ہندوؤں کے ناموں میں مروجہ آخری جزو مل (بندھومل وغیرہ) اس قوم کے ذیلی شاخ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس ملی قوم کا ذکر پہلی بار سکندر اعظم کی آمد کے وقت یونانی واقع نگاروں نے ملی یا ملوئی کہہ کر کیا۔ انہی واقع نگاروں نے ان کے ہر جگہ انہی کے ساتھ ان کے حلیف آکسی ڈراکیکی کا ذکر کیا ہے۔ اس مقام پر ہمیں نے ان دو اقوام کا یکجا ذکر اس لیے کیا ہے کہ ان اقوام کی ایک قدیم خصوصیت یہ ہے کہ وہ سر پر لمبے بال رکھتے تھے۔

Scanned by CamScanner

یونانی زبان کی لغت میں جگہ کرلی۔ ملی کا لفظ یونانی زبان میں ملوٹی بن کر لمبے بال یا لہراتے سانپ کا مترادف بن گیا۔ اور یہی صورت حال ڈرائیکی کے ساتھ یونانی لغت میں واقع ہوئی۔ ڈرائیکی کے معنی لمبے سانپ کے ہو گئے۔ جس سے انگریزی زبان کا ڈریگن یعنی اژدھا مشتق ہوا۔ مسلم مستشرقین کے اس عقیدہ کہ اولادِ آدم کی ابتدائی زبان عربی تھی۔ جس سے اولادِ آدم کے مختلف حصوں کے مختلف نئے وطنوں میں بولی جانے والی مختلف زبانیں مشتق ہوئیں۔ ثبوت اس بیان کردہ امر سے مل جاتا ہے۔ عربی میں تدار کا لفظ بڑے سانپ کے معنوں میں آتا ہے اسی سے لفظ ڈرائیکی مشتق ہے۔ ملی قوم کا نام دراصل عربی لفظ لمعہ سے مشتق ہے جس کے معنی زلفوں کے ہیں۔ میں یہ طویل تمہید دے کر قارئین کو ہیرو ڈوٹس کی تحریر کردہ تواریخ، کے عہد تک لے جانا چاہتا ہوں۔ ہیرو ڈوٹس نے مختلف مقامات پر کسی نہ کسی صورت میں "انڈیا" یعنی انڈس وادی کا ذکر کیا ہے۔ انڈیا، کو اس نے دارا اوّل کے شہنشاہ ایران کے زیر نگیں بیسواں صوبہ بتلایا ہے۔ (صفحہ ۲۱۵) دوسری جگہ اس نے دارا اوّل کے انڈیا، کو زیر نگیں کرنے سے پہلے کا ایک واقعہ درج کیا ہے۔ دارا اوّل نے ایک یونانی امیر البحر سکائی لیکس کو وادیٔ سندھ کے جغرافیائی اقتصادی معاشرتی اور سیاسی جائزہ کی خاطر ایک دریائی بیڑا ۵۱۶ تا ۵۱۸ ق م میں دے کر وادیٔ سندھ میں روانہ کیا (صفحہ ۲۵۶) وہ پہلی بار ایک شہر کیسی پیٹرس پہنچ کر مشرق کی طرف دریائے سندھ میں چل پڑا۔ اور پھر کچھ دور چل کر غرب کی طرف ہو لیا۔ انگریز مستشرقین میں سے جنرل کنگھم نے خدا جانے کیوں پہلی بار کیسی پیٹرس کو پشاور کا شہر سمجھا۔ کیونکہ اگر پشاور سے سوار ہوں تو دریائے کابل پہلے مشرق کی طرف جاتا ہے۔ اور پھر دریائے سندھ میں

Scanned by CamScanner

پڑ کر آج کل مغرب کے رُخ ہو لیتا ہے۔ حالانکہ البیرونی نے آٹھ سو سال پہلے صحیح نشاندہی کی تھی کہ کیسی پیٹرس سے مراد کاشی آپاپورہ ہے۔ جس کو ہیروڈوٹس نے یونانی تلفظ دے دیا تھا۔ اور ساتھ ہی اس نے یہ کہا تھا کہ کاشی آپاپورہ ہی ملتان تھا۔ جو محمود غزنوی کے وقت میں بھی دریائے سندھ کے کنارے اہمیت رکھتا تھا۔ اور اب تک اسی اہمیت کا حامل ہے۔ محمود غزنوی خود بھی غزنی سے دریائے کرم یا دریائے گومل کے راستے اکثر بار ملتان تک آیا۔ ۱۵۰ء تک بٹالمے یونانی جغرافیہ دان نے دریائے سندھ یعنی انڈس کو جنوب مشرق کے رُخ آتا دکھا کر پنٹا گراما (کہروڑ) کے مقام پر چناب میں مل کر جنوب مغرب کے رُخ سمندر تک جاتے دکھایا ہے۔ خدا کی قدرت کہ سکائی لیکس کے سفرنامہ کا وجود دنیا کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ ایک اور یونانی جغرافیہ دان ہیکاٹس کی شائع کردہ کتاب میں اس کا ایک چھوٹے سے اقتباس کا حوالہ باقی رہ گیا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں "دریائے سندھ کے کنارے قبیلہ اوپیائی کے شاہی قلعہ میں پہنچے جن سے پرے "انڈیا" تک ایک صحرا تھا"۔ (صفحہ ۱۰۱ تاریخ سندھ انگریزی لیمبرک) اس نے اوپیائی کے قلعہ میں پہنچنے کا ذکر کیا ہے۔ یونانی لغت میں اوپس (او۔پی۔آئی۔ایس) بڑے سانپ کو کہتے ہیں اور یہ لفظ عربی زبان کے لفظ افعی سے مشتق ہے جس کے معنی اژدہا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ سر کے لمبے بال اور لہراتے سانپ کا ہم معنی ہونا سمجھ میں آ سکتا ہے۔ لیکن اژدہا سے کیا مراد ہے۔ وادی سندھ کے عظیم دریاؤں کے کنارے بسنے والی بھوری سانولی دیو قومیں دریاؤں کی موجوں سے ٹکر لینے کی خاطر تیراکی میں مشاق تھیں۔ لمبے بالوں والے یہ سیاہ فام تیز تیراک سورج کی روشنی میں چمکتے ہوئے سانولے بدن سے

Scanned by CamScanner

پانی کی موجوں کو چیرتے ہوئے ہوئے اژدہا معلوم ہوتے تھے۔ اژدہا موٹے اور دراز قد سانپ معلوم ہوتے تھے۔ اور اسی خصوصیت نے سکندر اعظم کے وقت میں فوجی واقعہ نگاروں کے قلم سے ان کو ملوئی اور ڈرائیکی کا نام دلایا تھا۔ ممکن ہے ہڑپہ کی ساخت لفظی میں یہی "اوپی آئینز" کا حصہ اوپی آ گیا ہو اور ہڑپہ ہڑ آپا ہو۔ اور یہی لفظ کاشی آپا پورہ میں بھی موجود ہے۔

۴۱۔ مسلمانوں کی آمد اور چچ نامہ کے غاصب خاندان سے پہلے حکمران رائے خاندان کے شجرہ کی تلاش

جیسا کہ میں نے پچھلی فصل ۳۹ کے آغاز میں کہا تھا۔ ملوئی یعنی مل قوم وادیٔ سندھ کے شمالی حصہ کی قدیم ترین قوم تھی۔ اور ان کی سرزمین پر آخری غیر ملکی غنیم جن کے ساتھ یہ حسب رواج برسرِ پیکار بھی آئے وہ سفید ہن تھے۔ جن کے ظالم حکمران مہر گولا کا نام آج تک مشہور ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا۔ مل قوم کا بکرا جیت بھی سفید ہن قوم کو وادیٔ سندھ سے نہ نکال سکا۔ اس کو قدرت کا نشانِ عبرت سمجھیں کہ دریائے ستلج کے دونوں کناروں پر ان دو قوموں کی اولاد آج بھی آباد ہے۔ مل کی اولاد لنگاہ دائیں طرف اور گھلو (مہر گولا کی اولاد) بائیں طرف، بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی وہ ایک دوسرے کا وادیٔ سندھ کے آخری جنوبی دریا گھارا رستلج کے آر پار سامنا کئے ہوئے ہیں۔ روڈلف ہیو عرنل نے ہسٹری آف انڈیا کے

صفحہ ۸۵ پر ایک صحیح قیاس آرائی کی ہے، کہ مسلمانوں کی آمد اور غاصب پچ خاندان سے پہلے کا حکمران رلائے خاندان سفید ہن حکمران مہر گولا کی اولاد سے تھا۔ ہو عرفل نے مزید لکھا ہے کہ یونانیوں نے اس خاندان کو گولا یا "جبلہ" کہا ہے۔ جغرافیائی مشاہدہ سے اس قول کی صداقت عیاں ہے۔ آج بھی پنجاب اور ستلج کے سنگم کے قریب اوچ سے ۱۰ میل شمال مغرب میں ضلع مظفرگڑھ میں واقع علی پور گھلواں سے لے کر ستلج کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ سوئی دیہاڑ سے ۸ میل شمال کی طرف بہاولپور گھلواں تک ۳۰ میل لمبے علاقے میں یونانیوں کی بتلائی ہوئی گولا قوم "گھلو" قوم کے نام سے آباد ہے۔ بہاولپور گزیٹیر نے اس قوم کی ایک اور خصوصیت بیان کی ہے کہ ہر بستی میں جہاں یہ "گھلو" قوم آباد ہے ایک اور قوم بھی ان کے ساتھ رہتی ہے جو "غلام" کہلاتی ہے۔ گو ان کا اب غلام اور آقا والا رشتہ باقی نہیں رہا۔ لیکن یہ امر خود نشاندہی کرتا ہے کہ یہ قوم غالباً سفید ہن فاتحین کی اولاد ہے۔ جو اپنے غلاموں کے ساتھ اسی علاقے میں اس وقت سے آباد چلی آئی ہے۔ اور یہ بھی مشاہدہ میں آیا ہے کہ خد و خال اور رنگ کے لحاظ سے اس علاقہ کی دوسری ملکی اقوام کی اولاد کے درمیان نمایاں خصوصیت رکھتی ہے۔ اس ۳۰ میل کے علاقہ کے تقریباً درمیان میں جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ ایک بلند ٹیلے پر واقع مقام ہیتھی اس قوم کے ابتدائی نام "ہیتل" کی یادگار ہے۔ غالباً یہ مقام ہیتھلی کہلاتا تھا۔ اس سے چار میل قریب کوٹلہ موسے خان کے موجودہ مقام کے بالکل قریب ایک بہت پرانا ویرانہ ہے۔ جس کو دھمراڈ کا ٹبہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ اسمیں سوئی دیہاڑ کی طرح کا ایک دیہاڑ ہے۔ جہاں اس تیس میل لمبے گھلو علاقے کے مشرقی سرے کے سامنے کشن راجہ کنشکا کا سوئی دیہاڑ ہے۔ اس کے غربی سرے کے قریب

علی پور گھلواں سے دس میل دور سیت پور ہے۔ جس کو میں نے سیتھین قوم کا آباد کردہ شہر تبایا ہے۔ اوچ (یوچی قوم) کا ذکر پہلے اوپر آچکا ہے۔ آئین اکبری میں صوبہ ملتان کے دوآبہ بست جالندھر میں ایک محال گلو گھارا کا ذکر ہے۔ جس میں گلو قوم آباد تھی۔ غالباً وہ یہی علاقہ تھا۔

بہاول پور گھلواں سے مشرق کی طرف اسی دریائے گھارا (ستلج) کے ساتھ ساتھ ضلع بہاول پور کے لال سوہانرا اور اسرانی تک جو مقامات دریائے گھارا کے شمال والے کہروڑ پکا کے بالکل سامنے ہے۔ ایک اور قوم مسلسل مگر بہت کم تعداد میں آباد ہے۔ جس کو 'جبلہ' کہتے ہیں۔ اور یہی جبلہ قوم لال سوہانرا اور اسرانی سے دریا کے پار کہروڑ پکا تک بھی آباد ہے۔ غالباً یونانی مورخین نے دو مختلف مگر ہم مخرج قبیلوں کو ایک سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ سفید ہن قوم کے دو علیحدہ علیحدہ قبیلے تھے۔ اور میں نے اوپر کی فصل ۲۹ میں یونانی جغرافیہ دان ٹالمی کے نقشہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہروڑ پکا کو نیٹا گراما ثابت کیا تھا۔ اور یہ امر کہ وادی سندھ کے آخری فاتحین سفید ہن قوم کی اولاد اسی کہروڑ پکا یعنی ۱۵۰ء کے نیٹا گراما (پنجند شہر) سے موجودہ زمانہ کے پنجند تک آباد ہے۔ میرے اس قیاس کا ایک اور جغرافیائی ثبوت ہے جس کا بعد میں چچ نامہ کی جغرافیائی توضیحات کے ضمن میں ذکر آئے گا۔ اسکلندہ جس کو انگریزی ترجمہ کے مترجم مرزا قلیچ بیگ نے اپنے نسخہ ترجمہ کردہ کے مطابق گھلو کندھا کہا ہے (تاریخ سندھ انگریزی مصنفہ لیمبرک صفحہ ۱۷ نوٹ نمبر ۴۸)۔ اسی گھارا (ستلج) کے کنارے تلاش کرنا پڑے گا۔ گھارا دریائے ستلج اور دریائے بیاس کے سنگھم کے نچلے حصہ اور دریا کا پنجند تک کا نام ہے۔ یہ نام کب پڑا

قابلِ تحقیق ہے۔ مگر کیوں پڑا؟ وہ اس لفظ کے لغوی مخرج سے عیاں ہے۔ گارا سنسکرت میں ہڑپ کر لینے کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ عربی لفظ جرُع سے مشتق ہے جس کے معنی گھونٹ پینا ہے۔ یہ مخرج اشارہ کرتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف کہ کسی وقت دریائے ستلج نے قانونِ عزب ردی کے تحت بیاس کے قرب میں آ کر، جو اس وقت اس کے شمال میں علیحدہ متوازی چلتا تھا۔ ہڑپ کر لیا۔ اور دونوں دریا یکجا ہو گئے۔ سنسکرت میں گارا کے معنی پرانے اور بوڑھے کے بھی ہیں۔ غالباً اس جغرافیائی خفیفت کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ ستلج کے بیاس کے ہڑپ کرنے کے بعد دونوں دریا ایک راستے پر چل پڑے، جو دراصل بیاس کا پرانا راستہ تھا وہ قانونِ عزب ردی کے تحت چھوڑ کر شمال میں چلا گیا تھا۔ اور ستلج نے اسی قانون کے تحت جنوب سے بڑھ کر اس کو اختیار کر لیا تھا؛

متحدہ سندھ کے آخری رائے خاندان کے شجرہ کی تلاش کے مضمون کی طرف واپس آتے ہوئے عرض ہے کہ قریبی زمانہ تک یعنی اسی صدی ہجری مطابق پندرہویں صدی عیسوی میں بھی قدیم ملی قوم کی شاخ لنگاہ نے ملتان کی حکومت پر اپنے حقوق کو ایک بار پھر تازہ کیا۔ اس بار ہندوستان میں لودھی خاندان کی حکومت کے عہد میں جنہوں نے تغلق خاندان کے زوال پر اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ مگر ملتان ابھی تک افراتفری کا دور دورہ تھا۔ فائدہ اٹھایا۔ ملتان میں افراتفری کے دوران لوگوں نے شیخ یوسف قریشی کو ملتان کا حکمران منتخب کر لیا تھا۔ تاکہ اس علاقہ میں افراتفری بند ہو۔ شیخ یوسف قریشی نے قرب وجوار کے رڈ ساسے دوستی کے معاہدے کیے۔ جن میں لنگاہ قوم کا رئیس رائے سہرا بھی تھا (موجب بہاولپور گزٹیئر صفحہ ۴۲) فرشتہ نے

اس کو سیوی کا رئیس کہا ہے۔ اور غالباً اسی وجہ سے اس کو مغالطہ ہوا کہ وہ سیوی کو بلوچستان کے افغان علاقہ بستی کا حکمران سمجھا۔ اور اس طرح ساری قوم لنگاہ کو افغان بنا دیا۔ حالانکہ سیوی سے مراد سیوی قوم تھی۔ جو شورکوٹ سے بستی۔ ایام قدیم میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہی قوم یونانیوں کی بتلائی ہوئی سبوئی۔ سوگدبائی۔ سیواس تھی۔ جس کا ایک پچھلی فصل میں مفصل ذکر آچکا ہے۔ اس سیوی قوم کا نام قرآن کریم کی بتائی ہوئی قوم اصحاب الرس سے مشتق تھا۔ جس کو مہابھارت نے سندھو سویراس کہا ہے۔ اسی سیوی قوم کی مختلف شاخوں میں سے ایک شاخ ملتان اور ہڑپہ کے گردو پیش کی آباد قوم ملی تھی۔ جس کے شجرہ کے متعلق میں نے بار بار مختلف فصلوں میں اوپر ملتان گزیٹیر کی بتلائی ہوئی ایک روائیت بیان کی ہے۔

سنگلی جنہاں دی ڈاڈی، سوڈی جنہاں دی ما
ماہلی جنے پنج پتر
بھٹہ، ڈاہر۔ ناپئے۔ شجرا تے لنگاہ،

یہی دو مصرعے یونانی مورخ ایرین کی تاریخ "سکندرِ اعظم" کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔ سنگلی قوم وہ قوم تھی، جو سکندرِ اعظم کے مفتوحہ وادی کے جنوب والے سنگالا میں رہتی تھی۔ اس کی ایک شاخ کاٹھیا تھی جس نے سکندرِ اعظم کا وہاں مقابلہ کیا تھا۔ آج بھی ضلع بہاول نگر۔ ضلع ساہیوال۔ ضلع لائل پور۔ ضلع سرگودھا۔ میں اس قوم کی دوسری شاخیں۔ لنگر کملیال، بندیال۔ سیال وغیرہ اس کی یادگار ہیں، یہ ملی قوم کے مشرق میں رہتی تھیں۔ اسی قوم کی ایک عورت ملی قوم کی ماں بھی اور سوڈھی قوم جس ایک عورت ملی کی بیوی تھی۔ جو ملی کے پانچ بچوں کی ماں بنی۔ وہ ہی

قوم تھی، جس کو ایرین نے آکسی ڈرائیکی کہا ہے اور ملکی مورخین نے ان کو شدرا کا
اور سوڈھا قوم کہلا ہے۔ یہ ملی قوم کے عزب میں اوچ، ڈیرہ غازی خان وغیرہ کے
قدیم علاقہ میں رہتی تھی۔ ایرین نے بجا طور پر لکھا ہے کہ سکندر اعظم کو وادی
سندھ پار کرنے کے بعد پتہ چلا کہ وادی کے جنوب میں رہنے والی سنگالا
قوم اس کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہی ہے۔ اور ملی اور آکسی ڈرائیکی قوم اس
معاملہ میں اس کے حلیف ہیں۔ ملتان گزیٹیر کی روایت نے ایرین کی تصدیق
کردی ہے کہ سنگالا ملی اور سوڈھی قوم ضلع ساہی وال سے لے کر ضلع
ڈیرہ غازی خاں اور بہاولپور تک آباد تھی۔ اور یہ ایک دوسرے کے حلیف تھے۔

رائے سیہرا لنگاہ نے، جس کا نام خود متحدہ سندھ کے رائے ساہیرس
کا اختصار ہے، شیخ یوسف قریشی کو اپنی دامادی میں لے لیا، اور مناسب وقت
پا کر اس کو تخت سے محروم کر کے ملتان کا مشہور سلطان قطب الدین لنگاہ بن بیٹھا
اسی خاندان کا فرد ہمایوں کی جلاوطنی کے وقت اسی علاقے کا حکمران بخشو لنگاہ تھا۔
قدرت کا تحفظ تاریخ دیکھئے کہ محمد بن قاسم کے مقابل اسکلندہ کا حاکم بھی رائے
سیہرا تھا۔ (چچ نامہ صفحہ ۳۳)

فصل ۳۹ میں ہم ۶۰۶ء تک وادی سندھ کی تاریخ پر نظر ڈال چکے
تھے۔ یہ ملاوا خاندان کے زوال متحدہ ہندوستان کی حکمرانی سے برطرفی اور
اور اپنے پرانے خاندانی صوبہ مالوہ میں واپسی تک تھی۔ یہ سال ۶۰۶ء تاریخ
اسلام کے ساتھ اگر وابستہ کریں تو یہ وہ سال ہے کہ اعلان اسلام کو ابھی ایک سال
باقی تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے ۶۰۷ء میں اعلان رسالت فرمایا۔ ۶۲۰ء میں مکہ سے مدینہ

Scanned by CamScanner

ہجرت فرمائی۔ بموجب چچ نامہ صفحہ ۹۵ سندھ کے مقبوضات مکران وغیرہ میں مسلمانوں کی پہلی جنگ حضرت عمرؓ کے وقت میں ہوئی۔ ہجرت کو پندرہ سال گذر چکے تھے۔ یعنی یہ سال ۶۳۵ء تھا۔ چچ نامہ کا مصنف مزید رقم طراز ہے کہ چچ بن سلائج برہمن سندھ کے غاصب حکمران کو تخت نشین ہوئے ۳۵ سال گذر چکے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چچ ۶۰۰ء میں برسرِ اقتدار آیا۔ ضمناً یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ ملا واخاندان کے زوال کے اسباب کو وادیٔ سندھ کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہ تھا۔ وادیٔ سندھ کی حکومت ایک علیحدہ حکومت تھی جیسا کہ روڈلف ہونرل نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ سفید ہن قوم کے ظالم حکمران مہر گولا کی اولاد گولا، وادیٔ سندھ پر اپنا آہنی پنجہ مضبوط کرچکی تھی۔ اور پاٹلی پترا (پٹنہ) کے حکمران سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

چچ نامہ وادیٔ سندھ کے (جس میں کشمیر کو بھی وادیٔ سندھ کا حصہ سمجھا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ اور اگر ہمالیہ کے دامن جالندھر، ہوشیار پور، کانگڑہ امرتسر اور گورداسپور کے موجودہ اضلاع کے اس وقت کے علاقوں کو اس وقت کے کشمیر کا حصہ سمجھ لیا جائے تو بھی درست ہوگا) مختلف خودمختار اور نیم خودمختار علاقوں کی طرف بڑے دلچسپ طریقے سے نشاندہی کرتا ہے۔ اور ایک طرح ان کے حکمرانوں اور نیم حکمرانوں کے شجرۂ ونسب کی طرف بھی راہنمائی کرتا ہے۔ ستلج اور جمنا کے درمیان والا علاقہ جو اب موجودہ زمانے میں بھارت کا ہریانہ صوبہ ہے۔ بکرماجیت اور اس کے بیٹے کے وقت میں تھانیسر کی راجدھانی کہلاتا تھا اور وادیٔ سندھ سے باہر تھا۔ سر آرل سٹین مشہور محقق اور جغرافیہ دان نے

Scanned by CamScanner

سچ کہا تھا کہ پاکستان کے بہاول پور ڈویژن کی مشرقی حدود کے باہر بھارت کے راجستھان صوبہ کے بیکانیر ڈویژن اور ہریانہ صوبہ میں وادی سندھ کے نشانات کی ناموجودگی سے صاف عیاں ہے کہ وادی سندھ کی تہذیب تقریباً تقریباً موجودہ مغربی پاکستان کی حدود کے اندر رہ جاتی تھی۔ اور ستلج کے بائیں کنارے روہڑی کے قریب والے کوٹلہ نہنگ کے آثار قدیمہ دراصل وادی سندھ کے جنوب مشرقی حدود کے اختتام پر تجارتی مرکز تھا۔ غاصب چچ برہمن کے خاندان کا شجرہ، چچ نامہ کے صفحہ ۵۰ پر تشریحات و توضیحات پر چچ باپ کا نام سیلائج اور دادا کا نام لبساس بتلاتا ہے۔ اور صفحہ ۸۰ پر وزیر بدھیمن کی زبانی رائے ساہیرس اعظم کے باپ کا نام دیوائج بتلایا گیا ہے۔ اس صفحہ پر حاشیہ کے مطابق سندھ کی حکومت پر دو رائے ساہیرس اور دو رائے ساہسی حکمران ہوئے۔ دوسرے رائے ساہسی کی وفات پر یعنی رائے خاندان کے چوتھے حکمران کی وفات پر چچ رائے ساہسی دوم کی بیوی سے شادی کر کے رائے خاندان کے ممکنہ وارثوں کے قتل عام کے بعد ۶۰۰ء میں سندھ کا حکمران بنا۔ رائے خاندان کی چار پشتوں کا دور حکمرانی اگر زیادہ سے زیادہ ایک سو سال قیاس کر لیا جائے تو رائے خاندان ۵۰۰ء کے قریب قریب پوری وادی سندھ پر غالب آچکا تھا جیسا کہ اوپر کی فصل ۳۹ میں سفید ہن کے دور کے تذکرہ میں لکھا جا چکا ہے۔ کہ یہ قوم ۴۶۵ء میں وادی سندھ میں گھس آئی اور سندھ کو گجرات و مالوہ تک پہلے حکمران تورامانا کے وقت میں قابض ہو چکی تھی۔ لیکن مہر گولا کے ظلم کے ردعمل کے طور پر ان کو گجرات و مالوہ اور تھانیسر کی حدود سے ہٹ کر وادی سندھ کی اپنی حدود میں بکراجیت سے دفاع

کرتے ہوئے ۵۲۵ء میں واپس آنا پڑا۔ بہرحال ان دو امور سے رُوڈلف ہوئرنل کی قیاس آرائی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کہ مہر گولا سفید ہن کو گجرات اور مالوہ سے پسپائی کے بعد وادیٔ سندھ کے مفتوحات کو مستحکم اور منظم کرنے کے لئے جو سلطنت کشمیر کو چھوڑ کر وادیٔ سندھ کے میدانوں میں وجود میں آئی اس کا پہلا حکمران وزیر بدھیمن کا بیان کردہ رائے ساہیرس اعظم یعنی رائے ساہیرس اول تھا۔ جو ایران کی فوجوں سے لڑتا ہوا شکست کھا کر مارا گیا۔ اس مقام پر پہنچ کر یہ امر تشنۂ تحقیق بن جاتا ہے۔ کہ رائے خاندان سفید ہن گولا قوم کی اولاد تھے۔ یا کسی ملکی قوم کے۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے اوپر لنگاہ قوم کے تذکرہ میں بیان کیا ہے۔ رائے سہیرا (ساہیرس کا اختصار؟) جو ملی قوم سے تھا۔ پندرہویں صدی میں ملتان کا حاکم بنا۔ ممکن ہے کہ کالی داس کی حکایت فتوحات بکرماجیت کے مطابق واقعی گولا قوم کو ہندوسندھ دونوں میں سے بے اقتدار کردیا گیا ہو۔ یا یہ کہ چونکہ ملکی لنگاہ قوم اور غیر ملکی گولا (گھلو) قوم ستلج آرپار تقریباً نوسو سال اکٹھی رہ چکی تھی اس وجہ سے یا حکمرانانِ سندھ کی یادگار میں سہیرا عام نام ہو گیا ہو جو گھلو بھی رکھ لیتے اور لنگاہ بھی اور دوسرے بھی۔ چچ نامہ کے چند اور تذکرے گمان غالب پیدا کرتے ہیں کہ رائے خاندان واقع سفید ہن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ جس وقت چچ پہلی بار اپنی مملکت کے مختلف حصوں کا دورہ کرتے ہوئے ملتان پہنچا تو ملتان کے حکمران بجھرا نے (چچ نامہ صفحہ ۴۵) نے جو رائے ساہسی کا رشتہ دار تھا۔ کشمیر کے راجہ کے پاس ایک قاصد مدد کیلئے بھیجا۔ یہ واقعہ غالباً ۶۰۰ء کے بعد دو تین سال کے اندر کا ہے۔ جیسا کہ ہم فصل ۳۹ میں بکرماجیت کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔ بکرماجیت کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلادتیہ نے وادیٔ سندھ کے سفید ہن حکمرانوں کے ساتھ

Scanned by CamScanner

دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ جن کے نتیجے میں اس کے باج گذار حکمرانوں نے اس کو ۵۹۳ء میں معزول کر دیا لیکن تھوڑے عرصہ بعد سلاوتیہ نے کشمیر کے سفید ہن بادشاہ پروارا سینا دوم کی مدد سے اپنے تخت پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ حاکم ملتان بجھرائے نے بھی دس سال بعد چچ کے خلاف اسی ہن حکمران کشمیر سے مدد مانگی، چونکہ وہ اس کا رشتہ دار تھا۔ اور چچ نامہ کے الفاظ کہ بجھرائے کی امداد کرنا اس کا فرض تھا۔ اس قیاس کی صداقت کا ایک اور ثبوت ہے۔ جب بجھرائے کے قاصد پہنچے تو کشمیر کا بادشاہ (پرواراسینا دوم) فوت ہو چکا تھا۔ اس کے نوعمر بچے کے نگرانوں نے امداد کیلئے اپنی معذوری ظاہر کی اور بجھرائے نے ان حالات کو دیکھ کر چچ سے درخواست کی کہ اس کو اپنے قرابت داروں کے ساتھ با امان کشمیر جانے دیا جائے۔ یہ مزید ثبوت ملا کہ کشمیر وادئ سندھ کے ایک حصہ کی علیحدہ خود مختار ریاست تھی۔ جو سفید ہن خاندان کے حکمرانوں کے ہاتھ میں تھی۔ جس میں رائے خاندان بھی شامل تھا۔

۴۔ یونانی مورخ ایرین کی تاریخ "سکندر اعظم" سے وادئ سندھ میں یونانی افواج کے داخل ہونے سے پیشتر کے تذکرہ سے وادئ سندھ کے اماکن ورجال کے متعلق دلچسپ انکشاف

ایرین کے تذکرہ میں وادئ سندھ کے لوگوں کا ذکر پہلی بار اس وقت آتا ہے

جب سکندرِ اعظم کی افواج نے دارا شہنشاہ ایران کی افواج کا بابل کے قریب گاؤگامیلہ کے مقام پہ سامنا کیا۔ صفحہ ۹۸ پر دارا کی افواج کی قوم وار تفصیل اور اس کے کمانڈروں کے نام درج ہیں۔ اس جگہ ایک کمانڈر بساس (بی۔ ای۔ ایس۔ ایس۔ یو۔ ایس) کا ذکر ہے، جو باختریہ کا سٹرپ (گورنر) تھا، اس کے ماتحت باختری افواج کے علاوہ، باختریہ کی سرحد کے قریب والے انڈین (انڈس وادی والے) قبائل بھی شامل تھے۔ آراکوسیٹین افواج، یعنی موجودہ کوئٹہ قندھار کی افواج اور انڈین (انڈس وادی والے) پہاڑی قبائل کا کمانڈر بارسینٹیز تھا۔ جو موجودہ کوئٹہ قندھار کے علاقے کا سٹرپ (گورنر) تھا۔

افواج اور کمانڈروں کی مزید تفصیل کے بعد دارا کی افواج کی کل تفصیل درج ہے۔ دارا کی افواج میں چالیس ہزار سوار، دس لاکھ پیادہ، دوسو سٹھین، رتھیں اور چند ہاتھی تھے۔ یہاں آ کر ایرین بیان کرتا ہے کہ دریائے انڈس (سندھ) کے اس طرف یعنی غرب والے انڈین (انڈس وادی والے) فوجیوں کے پاس تقریباً پندرہ ہاتھی تھے۔ صفحہ ۱۱۲ پہ پہنچ کر ایرین ذکر کرتا ہے کہ شکست کھانے کے بعد جب دارا کی افواج تتر بتر ہوئیں تو اس کی افواج کے تین کمانڈروں بساس۔ نیبرزینی۔ بارسینٹیز نے دارا کو قید کر لیا۔ اور اس کو بھگا لے گئے۔ سکندر نے ان کا پیچھا کیا اور ان کے قریب پہنچا تو نیبرزینی نے جو دارا کے رسالے کا کمانڈر تھا۔ اور بارسینٹیز نے جو آراکوسیا (کوئٹہ قندھار) کا گورنر اور اس علاقے کی افواج اور انڈین پہاڑی قبائل کی افواج کا کمانڈر تھا۔ دونوں نے دارا کو ضربیں پہنچا کر جان سے مار دیا۔ بساس ان کے ہمراہ تھا۔ سکندرِ اعظم نے دارا کی لاش کو ایران کے دارالخلافہ پرسی پولس بھجوا دیا۔ تاکہ وہ

Scanned by CamScanner

شاہی مقبرہ میں دفن ہو سکے ۔ اور خود قاتلوں کا پیچھا کیا ۔ ہرکینیا کے علاقہ میں نیبرزنی یکے از قاتلان نے خود کو سکندر کے حوالے کر دیا ۔ کچھ عرصہ بعد اس کو اطلاع ملی کہ دیگر از قاتلین لبساس نے اپنے شاہ ایشیاء ہونے کا اعلان کر دیا ہے ۔ اور شاہی قبا پہنی شروع کردی ہے ، اور یکے از اسمائے شہنشاہ ایران آرٹا ذرگسیز اختیار کر لیا اسی ضمن میں سکندرِ اعظم نے براہِ راست باختریہ کی طرف لبساس کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کرلیا ، مگر اُسے اطلاع ملی کہ ستی بارزینیز نے جس کو سکندرِ اعظم نے اس کے دوستانہ یقین تعاون کے بعد اپنے علاقے ایریا کا بدستور حکمران رہنے دیا تھا ۔ اور اس کی ساتھ بھیجی ہوئی علامتی یونانی فوجی دستے کو تہ تیغ کر دیا ہے ۔ اور اب اپنی فوجیں لیکر لبساس کے ساتھ ملنے کے لئے باختریہ جانے والا ہے ۔ سکندرِ اعظم نے اپنے منصوبہ کو تبدیل کر کے ایران کی شمالی سرحد سے سیدھا باختریہ جانے کی بجائے جنوب کی طرف ایریا کا رخ کیا ۔ ستی بارزینیز بھاگ گیا ۔ اور اس کی فوج کا قلع قمع کر دیا گیا ستی بارزینیز بھی بعد میں گرفتار ہو کر مارا گیا (صفحہ ۱۲) سکندرِ اعظم نے اب دارا کے قاتلوں میں تیسرے غدار بارسینٹیز کا جو ایریا کے جنوب والے اپنے علاقے زرنگیا (موجودہ زنجان) میں چلا گیا تھا ۔ اپنے عقب میں نہ چھوڑنا چاہا ۔ اور اس طرف فوجیں لے کر بڑھا ۔ جب بارسینٹیز مجرم قتل کو اطلاع ملی تو وہ دریائے سندھ (انڈس) کے مغرب والے انڈین قبائل کی طرف پناہ کیلئے بھاگ گیا ۔ گویا رسینٹیز کوئٹہ قندھار کا سٹرپ بھی تھا ، اور دارا کی فوج میں ان کا کمانڈر بھی ۔ مگر ان ہندوستانی قبائل نے اس کے جرم غداری سے نفرت کرتے ہوئے اسے گرفتار کر کے سکندرِ اعظم کے پاس بھیج دیا ۔ اس نے قتل کرا دیا ۔ اب سکندرِ اعظم اپنے پہلے منصوبے کی تکمیل

کے لئے باختریہ جانے کے لئے براستہ آراکوسیا روانہ ہوا۔ اور راستے میں مکران (گڈروسیا) اور کوئٹہ قندھار کے علاقے فتح کر کے مینن کو ان کا گورنر بنا دیا۔ آراکوسیا یعنی کوئٹہ کے علاقے فتح کرنے کے دوران وہ قریب والے ہندوستانی قبائل تک پہنچ گیا۔ جہاں پہنچنے کے لئے اسے گہری برفانی چوٹیوں پر سے گذرنا پڑا یہ غالب زیارت کی برفانی ہر یوبی ملنز کو عبور کیا۔ (صفحہ ۱۲) بگٹی۔ مری۔ اور کچھی علاقے میں آپہنچا جہاں اس نے لیموس کو انڈین پہاڑی قبائل کا گورنر مقرر کیا جیسا کہ ایرین نے صفحہ ۲۰۸ پر بعد میں جا کر ذکر کیا ہے۔ یہاں سے واپس آراکوسیا کی طرف گزر کر وہ کوہ ہندوکش کے راستے باختریہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں دارا کا آخری قاتل چھپا پھرتا تھا۔ یہ طویل اقتباس سکندر اعظم کی آمد سے پہلے کے ایران کے سیاسی اور فوجی ڈھانچہ کے ساتھ وادئ سندھ کے علاقے کے رابطہ کو بیان کرنا مقصود تھا۔

۴۳۔ چچ کے خاندان کی تلاش۔ کیا چچ کا خاندان بھی باختریہ سے آیا تھا؟

فصل ۴۲ کا ایک مقصد تو ایران اور وادئ سندھ کے سیاسی اور فوجی رابطہ کی تلاش تھی۔ اس کے علاوہ دو اور مقاصد بھی تھے۔ مگر یوں کہیئے کہ وہ دو کچے دھاگوں کے سروں کی تلاش تھی۔ تحقیق میں تاریخی ہو۔ یا جغرافیائی یا پولیس کی تفتیش جرائم ہر ممکنہ سراغ کو دیکھنا بھالنا پڑتا ہے۔ چچ کے شجرہ میں (بموجب چچ نامہ صفحہ ۴۰۵) اس کے باپ کا نام سیلائج اور دادا کا نام لباس دیا ہوا ہے۔ کیا چچ کا دادا لباس سکندر اعظم کے وقت کے غدار لباس کی اولاد تھا، جس نے شہنشاہِ ایران دارا کو بے گناہ قتل

کیا اور پھر شہنشاہی تباہ و ڈھ لی - اور جس کو سکندرِ اعظم نے انسانی اقدار کی خلاف ورزی کی پاداش میں کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ گو چچ کے دادا لباس اور شہنشاہ ایران دارا کے لباس گورنر باختریہ کے درمیان ہزار سال کا عرصہ تھا۔ لیکن لباس ثانی کے پوتے چچ کا فعل ہوبہو اس لباس اوّل کی طرح نمک حرامی اور غداری تھا۔ ممکن ہے کہ جب باختریہ کے یونانی موریا خاندان کے زوال کے بعد ایک بار پھر وادیٔ سندھ میں گھس آئے جس سلسلے میں میندر کا سندھ کے راستے گھس آنے کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ تو لباس کا خاندان بھی نقل مکانی کرکے سندھ میں آگیا ہو۔ رائے ساہیرس اعظم جس کو رائے ساہیرس اوّل کہا جاتا ہے۔ (بقول چچ نامہ ۴۰) کے باپ کا نام ڈوائج تھا۔ چچ کے باپ کا نام سیلائج تھا۔ سیفد ہن بھی باختریہ کے علاقے سے آئے تھے۔ اس لئے ساہیرس اعظم اوّل اور چچ کے شجرہ میں ڈوائج اور سیلائج ناموں کی مشابہت بھی ایک ثبوت ہوسکتا ہے۔ کہ چچ غدار کا خاندان لباس غدار کی اولاد تھا۔ اور باختریہ سے آیا تھا۔ لباس خود باختریہ کا اصلی باشندہ تھا۔ اور شہنشاہان ایران کے سیاسی رواج کے مطابق باختریہ کا ایران کی طرف سے گورنر تھا۔ اسی رواج کو سکندرِ اعظم نے بھی اپنایا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب سکندرِ اعظم نے آراکوسیا یعنی موجودہ کوئٹہ قلات کو فتح کیا تو وہاں کا گورنر ایک مینن (ایم - ای - این - او - این) کو اس علاقے کا گورنر بنا دیا۔ (تاریخ ایرین صفحہ ۱۲۱) ماہرینِ السنہ نے قلات اور کوئٹہ خاص کے علاقے میں بولی جانے والی براہوی زبان کو دراوڑی (ڈریویڈین) زبانوں کی ایک اور شاخ کہا ہے برصغیر ہندو پاک کے دکن کے علاقے میں بولی جانے والی تامل اور تیلگو زبانوں سے ترتیبی مشابہت رکھتی ہے۔ حسن اتفاق سمجھیے یا قدرت

Scanned by CamScanner

کا تحفظ۔ تاریخ کہ مینن کا نام دکن کے علاقے میں آج بھی تامل اور تیلگو بولنے والوں کے درمیان عام ہے۔ غالباً سکندرِ اعظم نے بھی مینن بروہی کو کوئٹہ اور قلات کے علاقہ آراکوسیا کا گورنر بنا دیا تھا۔ میجر مینکر نے جو مغربی پاکستان بننے سے پہلے بلوچستان کے آخری چیف کمشنر (مفتوحہ علاقہ) ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل قبائلی علاقہ اور ریذیڈنٹ ریاست ہائے قلات، خاران، مکران، لاس بیلہ) تھے۔ اور مغربی پاکستان کے کوئٹہ ڈویژن کے پہلے کمشنر بنے۔ راقم کو ایک بار، دورانِ گفتگو میں بتلایا کہ اپنی سروس کے ابتدائی زمانہ میں جب وہ اپنے ایک بروہی خدمتگار کے ساتھ مدراس گئے تو ان کے اس بروہی نوکر نے ان کو بتلایا کہ یہاں کے لوگوں کی گفتگو میں اکثر لفظ ہماری بروہی زبان کے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ بروہی قوم کیا تھی۔ کہاں سے آئی۔ اس کے متعلق انگریز محققین پوٹنگر اور لیچ نے مختلف قیاس آرائیاں کی ہیں۔ ایک نے تو کہا ہے کہ اصل لفظ با۔ وہی ہے۔ یعنی دوہ (پہاڑ کے رہنے والے) دوسرے نے براہم۔ برہمن اور براہیم (یعنی ابراہیم) سے مشتق سمجھا ہے۔ میری رائے ہے کہ آخری قیاس درست ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ راقم نے شروع کی ایک فصل میں ذکر کیا ہے کہ آدمؑ سے ابراہیمؑ تک تمام انبیاء لنکا، دکن، اور اسی وادیٔ سندھ میں مبعوث ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ لنکا اور دکن (بھارت) سے لیکر وادیٔ سندھ (قلات) تک ایک ہی زبان کے سُراغ مل جاتے ہیں۔ (ڈاکٹر ہنری فیلڈ، مغربی پاکستان کی نسلی سروے صفحہ ۵۶) ابراہیمؑ کا بھی وادیٔ سندھ میں وطن تھا۔ تورات کے مطابق ابراہیمؑ نے عراق سے شام، شام سے فلسطین پھر مصر اور واپس فلسطین میں

Scanned by CamScanner

قیام کیا۔ اس سفرنامے میں قدیم از تاریخ زمانے میں تمام آباد اور خوشحال دریائی وادیاں اور ساحل فلسطین آجاتے ہیں۔ سوائے وادیٔ سندھ کے، یہی وہ وادی تھی۔ جہاں جیساکہ اوپر مفصل ذکر آچکا ہے۔ طوفانِ نوح کی بربادی سب سے پہلے آئی۔ اور نسلِ انسانی نے اس شمالی ترین وادیٔ سندھ سے جنوب کی طرف پہلے وادیٔ دجلہ اور فرات میں اور پھر وادیٔ نیل کی طرف بالآخر حضرت ابراہیم کے وقت میں بیت المقدس میں آپہنچی۔ قرآن کریم کے مطابق حضرت ابراہیم کے فرزند حضرت اسماعیلؑ کو حجاز کی وادی غیر ذی ذرع میں مکیں کرایا گیا۔ چچ نامہ نے صفحہ ۲۰ پر اس قوم برہمی کو پہلی بار برہاس کہکر ذکر کیا ہے۔

باب ہفتم

کشف الاسرار وادیٔ سندھ

(سکندرِ اعظم کا دور)

پچھلے چھ ابواب اور ۳۴ فصلوں میں راقم نے وادیٔ سندھ کے قدیم جغرافیہ اور تاریخ کے متعلق جملہ ممکنہ قیاس آرائیاں دلائل کے ساتھ پیش کر دی ہیں۔ تاکہ قارئین ہماری تاریخ اور جغرافیہ کے بکھرے ہوئے تذکروں کو ایک مربوط شکل میں دیکھ سکیں۔ اور اپنے علم و مشاہدہ سے اس کی تائید یا تردید کے قابل ہو سکیں مگر طوالت اور بے ربطگی کے خوف سے باقی تمام کوائف کو اس باب میں

فرداً فرداً مختلف فصلوں کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ پچھلے چھ ابواب کے مربوط ڈھانچے میں قارئین ان اماکن اور اقوام اور رجال کو خود مناسب جگہ دے سکیں۔ اس باب کی تیاری میں راقم نے فصل ۳۵، میں یونانی ایرین کی تاریخ سکندرِ اعظم، کے بیان کردہ امور کو بالترتیب لے کر پھر اس زمانہ سے تقریباً پانچسو سال بعد کے پٹالمے کے نقشہ کے بیان کردہ کوائف کو لیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں فصل ۳۸۔ اور ۳۹ میں بیان کردہ توضیحات کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ اس کے بعد پٹالمے سے تقریباً پانچسو سال بعد تاریخ وادیٔ سندھ کی تیسری اور آخری اہم دستاویز چچ نامہ کے بیان کردہ احوال اماکن و اقوام و رجال کے متعلق دلائل کے ساتھ قیاس آرائیاں پیش کی ہیں۔ اور ان توضیحات کو پچھلی دو دستاویز کے ساتھ تاریخی ربط کے متعلق بھی قیاسات پیش کئے گئے ہیں۔ تاکہ سکندرِ اعظم سے لے کر محمد بن قاسم کی آمد تک کے حالات قلم بند ہو کر قارئین کے سامنے پیش ہو جائیں۔ اور میرے اس نظریہ کی کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب ہڑپہ سے لے کر موہنجو ڈارو تک پھیلی ہوئی اس کی ثقافت اور تمدن کا مرکزِ ثقل ملتان اوچ اور پٹن منارہ (رحیم یار خان) کے گردو پیش رہا۔ تائید یا تردید کر سکیں۔

Scanned by CamScanner

۴۴- ملتان سے لاڑکانہ تک ملتان کی ملی قوم کا شجرہ نسب

۱- نئے اور پرانے حکمرانوں کے شجرہ نسب پر قیاس آرائی کرنا کوئی نئی اور انوکھی رسم نہیں - پانچ صدی پہلے مشہور سیاح 'فرشتہ' نے ملتان کے لنگاہ حکمرانوں کے نسب پر قیاس آرائی کرتے ہوئے ان کو علاقہ سبی سے آئے ہوئے افغان بتایا تھا - حال ہی میں ہمارے قومی پریس نے ہمارے نئے صدر مملکت مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے نسب پر قیاس آرائی کرتے ہوئے ان کو ہریانہ کے راجپوتوں کی اولاد کہا ہے - جو ترک سکونت کر کے لاڑکانہ پہنچے ان دونوں قیاس آرائیوں میں صرف ایک چیز مشترک ہے کہ یہ دونوں غلط ہیں - نہ لنگاہ افغان تھے اور نہ مسٹر بھٹو غیر ملکی حملہ آوروں کی اولاد راجپوت ہیں - بلکہ یہ دونوں ملتان کی قدیم شجاع ، غیور ، خود مختار ، جمہوریت پسند ملی قوم کے ذو قبائل کے افراد کی اولاد ہیں - مشہور راجہ بکرماجیت بھی ملتان کی ملی قوم کی اولاد تھے -

۲- ملتان گزیٹیئر ۱۹۰۲ء کے مولف مسٹر ایڈورڈ میکلیگن نے صفحہ ۱۳۸ کے حاشیہ میں ایک مقامی کہاوت نقل کی ہے :-

منگل جنہاں دی ڈاڈی
سوڈھی جنہاں دی مال
ملی جنے پنج پتر

ڈاہر۔بھٹہ، لنگاہ، تاریخ۔شجرا

اس انگریزی دانشور کا جو بعد میں پنجاب کا گورنر بھی مقرر ہوا۔ مقصد وہی تھا جو فرشتہ کا یعنی ملتان کے حکمرانوں کے نسب کی تلاش مقصود تھی۔ انگریز دانشوروں کا سیاسی نسب العین ہمیشہ یہی رہا کہ اپنی مفتوح قوم کی عظمت کے راز کو سربستہ رکھتے تھے، تاکہ احساسِ قدامت و عظمت ان کو بغاوت پر جلد آمادہ نہ کرے مسٹر میکلیگن نے کہاوت کو بلا فہمید و بلا تنقید چھوڑ دیا۔ گو دانشورانہ جذبۂ تحقیق کے تحت اس کو بطور دستاویز حاشیہ میں درج تو کر دیا۔ اس کہاوت یا روائیت کے مصنف نے ان چار مصرعوں میں وادیٔ سندھ کی ڈھائی ہزار سالہ تاریخ کو سمو دیا ہے۔

اس کہاوت کا پہلا سراغ یونانی مؤرخ ایرین کی تاریخ "سکندرِ اعظم" (پنگوین کلاسکز نمبر ایل ۸۱ مطبوعہ لندن ۱۹۵۸ء کے صفحہ ۳۸۱ پر ملتا ہے) رومن شہنشاہ ہیڈریمن کے یونانی ہم سبق اور معتمد جرنیل اور گورنر کی یہ تحریر جو اختصار بالتفصیل یا تفصیل بالاختصار کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس کے متعدد بار مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ سالم کہانی تاریخی واقعات اور جغرافیائی امور کا ایک مربوط ڈھانچہ ہے، ایک حصہ کو دوسرے حصے سے چیک کیا جا سکتا ہے، اتنا قابلِ یقین کہ اس کی کسی ظاہری غلطی یا کمی تفصیل کو غلطی یا کمی نہ سمجھتے ہوئے ہمیں خود اس کتاب کے اندر سے اس کی تردید یا تائید تلاش کرنی پڑتی ہے، اور مل جاتی ہے۔

یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس کی "تواریخ"، (پنگوین کلاسکز نمبر ۲۳۴ مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ء) کے صفحہ ۲۵۶ پہ وادیٔ سندھ کی ملی قوم کے ملتان کا کبسی پیٹرس کہہ کر اور ایرین کی اس تاریخ کے صفحہ ۲۰۸ پہ لاڑکانہ کا سندھی مانا کہ پہلی بار

Scanned by CamScanner

ذکر آتا ہے۔ اور یہ حسنِ اتفاق ہے کہ ایرین کی تاریخ اور مشہور یونانی جغرافیہ دان پیٹالمی کا مشہور سیاحت نامہ اور مرتب کردہ وادیٔ سندھ کا نقشہ تقریباً ایک ساتھ ۱۵۰ء کے لگ بھگ شائع ہوئے، جب کہ سکندرِ اعظم کے ۴۵۰ سال بعد آنے والا غیر ملکی کشن حکمران راجہ کنشکا وادیٔ سندھ میں برسرِ اقتدار تھا۔ اس طرح یہی تین یونانی دستاویز ہماری قریب ازبعید تاریخ کے بنیادی ماخذ ہیں۔

ہیرو ڈوٹس اور ایرین کی تحریروں کو سمجھنے کیلئے ایک نمایاں فرق کا تذکرہ ضروری ہے۔ اول الذکر مؤخر الذکر سے تقریباً چھ سو سال پہلے لکھی گئی۔ مگر ذکر کردہ واقعات کے زمانہ میں صرف ایک سو بیس سال کا فرق تھا۔ سکندرِ اعظم نے ۳۲۵ ق م میں ہندوستان کے کوہِ سلیمان کو عبور کیا۔ اور ہیرو ڈوٹس ۴۸۰ ق م میں پیدا ہوا۔ ہیرو ڈوٹس سیاح تھا۔ اس کے زمانے میں ملک بملک گھومتا رہا۔ لوگوں سے ملتا تھا۔ لوگ اُسے بخوشی و رغبت اپنی پرانی کہانیاں اور اس وقت کے حالات اپنی زبان میں سناتے تھے۔ اور ہیرو ڈوٹس ان کے بتائے ہوئے قبائلی ملکی یا شہری ناموں کو قریب قریب ہوتی مشابہت میں یونانی تحریر میں ڈھال لیتا تھا۔ اس کا حوالہ لیتے وقت ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اصل لفظ اصل زبان کا کیا ہوگا۔ اپنی "تواریخ" کے صفحہ ۲۵۶ پر ملتان کا ذکر کرتے ہوئے البیرونی کے قول کے مطابق اس نے اس شہر کے قدیم نام کاشی آپا پورہ کو کیسی پیڑس کر دیا۔ کوہِ سلیمان کی پشت پر رہنے والی پشت کوہی کے نام سے معروف قوم کو پیکٹی ایکا کر دیا۔ جواب پختون کے نام سے مشہور ہے۔ سکندرِ اعظم ایک فاتح یلغار کرتا ہوا جا رہا تھا۔ لوگ بھاگتے اور چھپتے پھرتے تھے۔ دل کا حال بتانا تو در کنار نام بھی

Scanned by CamScanner

سیدھا نہ بتاتے تھے۔ سکندر کے روزنامچہ نویس اور فوجی واقعہ نگار اتنی جلدی میں تھے کہ صرف ان کی قدرتی خصوصیات کردار۔ اطوار اور قبائلی رسم و رواج کی بنا پر ان کا نام رکھ دیتے تھے۔ مکران کے ساحل پر مچھلی کھاتے ہیں تو اچھتوناگی مچھلی خور کہ دیا۔ دودھ لسّی پر گزارہ کرنے والی چناب کے کنارے کی گوجر چرواہی قوم ہے تو گلو سے یا گلو نیکا کر دیا۔ گالا یونانی میں دودھ کو کہتے ہیں، عربی لفظ غیل بمعنی دودھ سے مشتق ہے۔ گلو سے اور موجودہ گلیکسو کے دودھ کے ڈبے کی مشابہت قابل غور ہے۔ ایرین نے خود صفحہ ۱۸۱ پر کر دیا ہے کہ نام میں کیا دھرا ہے۔ ہیروڈوٹس کی تاریخ اور ایرین کی تاریخ میں دو متضاد خصوصیات ہیں اور ذہن میں رکھنی پڑتی ہیں۔

۴۵۔ ملتان سے لاڑکانہ تک ملی قوم کے ننھیالی سنگلے قوم کا سراغ

جب سکندرِ اعظم آبی سارس (شاہِ کوہستان) کی راجدھانی سے گزر کر سندھ پار کر کے ٹیکسلا کے راستے جہلم کے کنارے پہنچا تو دوسری طرف جہلم کے بائیں کنارے گجرات کا راجہ مقابلہ پر آکھڑا ہوا۔ یونانی فوجی واقعہ نگاروں نے اس کو راجہ پورس کر دیا۔ جس کے معنی یونانی میں دریا پار والے کے ہیں۔ یہ یونانی لفظی ترکیب یونانی لفظ پو سے ہے۔ جو عربی لفظ عبر سے مشتق ہے یعنی عبور کر کے پار ہونا۔ ٹیکسلا کا اوپر ذکر آیا وہ بھی دراصل یونانی لفظ ٹیکس سے مشتق ہے۔ یونانی میں ٹیکس قدیم زمانہ کے یونانی فوج کے ڈویژن یا رجمنٹ کو کہتے ہیں۔ ٹیکسلا کے معنی دراصل ڈویژنل ہیڈکوارٹر کے ہیں، اور ٹیکسلا س کوئی ہندوستانی راجہ نہیں تھا۔

Scanned by CamScanner

بلکہ ایرانی فوج کا ڈویژنل کمانڈر تھا۔ (راقم کی کتاب "سکندر اعظم اور پٹھان عمر اور اعوان" مطبوعہ ادارہ تحقیق و تذکرہ محلہ نقاش احمد پور شرقیہ، اس موضوع پر یونان سے جہلم کے کنارے تک مزید روشنی ڈالتی ہے) جہلم کے راجہ پورس کو ہرا کر سکندر اعظم دریائے چناب کے کنارے آ پہنچا، وہاں ایک قوم بستی تھی جو مویشی پالتی تھی۔ مٹر، چراں کاشت کرتی تھی۔ سکندر اعظم بڑا ذہین جغرافیہ دان تھا، یہی مٹر اور چراں کی کاشت اس نے مصر میں نیل کے کنارے بھی دیکھی تھی۔ اس لیئے اس نے اس قوم کو گلوسے کا نام دے دیا۔ یعنی دودھ لسی پینے والی قوم۔ اور دریائے چناب کو اسی نسبت سے واقعہ نگاروں نے اساسینیز نام دے دیا۔ یہ نام لاطینی لفظ اسیکری سے مشتق ہے۔ اور آج بھی انگریزی لغت کا لفظ ایسنس دودھ کو کھٹا کر کے لسی بنانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چناب پار کیا تو سیالکوٹ کا راجہ جسے فوجی واقعہ نگاروں نے دیگر پورس یا پورس ثانی یعنی چناب پار والا راجہ کہا ہے۔ بھاگ کھڑا ہوا۔ ایک جرنیل کو تعاقب میں بھیج کر سکندر اعظم نے راوی کو پار کیا۔ اس کا رخ بیاس کی طرف تھا۔ یہاں پہنچ کر اسے خبر ملی کہ اس کے غربی پہلو پر ایک خود مختار قبیلہ کیٹھائی (موجودہ کاٹھیا) اس کے مقابلے کی تیاریاں کر رہا ہے (صفحہ ۱۸۳) ان کا شہر سنگالا ایک مضبوط مرکز تھا۔ اور وہ خود عمدہ اور بہادر سپاہی تھے۔ ان کے دو غربی حلیف ملی اور آکسی ڈرائیکی کے دو خود مختار قبیلے ان کی مدد پر تیار تھے۔ کچھ عرصہ پہلے راجہ پورس اور شاہ ابی سارس نے ان تینوں کی خود مختاری پر حملہ کیا تھا۔ مگر ناکامیاب رہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ اس جگہ ملی قوم کا ننھیال سنگی تور اور ملی قوم کے سسرال آکسی ڈرائیکی یعنی سوڈی قوم کا یکجا سراغ ملتا ہے۔ جس کو ملتانی کہاوت

میں ذکر آیا تھا۔ کاٹھیا قوم آج بھی ضلع ساہیوال اور ضلع لائل پور میں موجود ہے۔ سکندر اعظم یہ خبر سن کر سنگالہ کی طرف چل پڑا۔ راستے میں پمپراما شہر میں ادرینی قوم نے بغیر مقابلہ ہتھیار ڈال دیئے۔ غالباً وہ پوست کے پجاری تھے۔ جس کے سرخ پھول دیکھ کر یونانیوں نے پمپراما کا نام دے دیا۔ سکندر اعظم پھر آگے بڑھا اور سنگالہ کے شہر کو زیروزبر کر دیا۔ سنگالہ کا لفظ بھی فوجی واقعہ نگاروں کی اختراع ہے۔ اس میں بھی وہی لفظ گالا یعنی دودھ شامل ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ یہاں دودھ کم مہیا ہو سکتا تھا سن کے معنی یونانی میں بغیر کے ہیں۔ غالباً یہ کاٹھیا قوم ایک صحرائی قوم تھی۔ یعنی دریا کے کنارے سے دُور رہتی تھی۔ اور دودھ اتنا ارزاں نہ تھا۔ سانگلہ ہل کا شہر آج بھی چناب اور راوی کے درمیان حال میں سیراب شدہ صحرا میں یادگار کھڑا ہے۔ اس مہم کو حل کر کے سکندر اعظم بیاس کے کنارے جا پہنچا۔ جہاں فوج کے آگے بڑھنے سے انکار پر وہ واپس جہلم کی طرف چل پڑا۔ جنرل کننگھم کے قول کے مطابق وہ قصور کے مقام سے واپس ہوا۔

۴۶۔ مُلتان سے لاڑکانہ تک ملی قوم کا حدود اربعہ

آیئے اب ہم ملی قوم کا حدود اربعہ دریافت کریں۔ دریائے جہلم پر واپس پہنچ کر دریائی بیڑا بنا کر سکندر اعظم جہلم کے راستے ملی قوم کی سرکوبی کیلئے چل پڑا اس کو سنگلی اور ملی قوم کے اتحاد کی یاد تازہ تھی۔ دو روز کی مسافت پر وہ ایک مقام صوفیتیز کے محل پر پڑا جس کو ایرین نے پیلس آف صوفیتیز کہا ہے۔ (صفحہ ۱۹۴)

بعض مورخین نے یہ سمجھ کر کہ ڈھائی ہزار سال پہلے دریائے جہلم یہیں چلتا تھا۔ جہاں اب کوہستانِ نمک کے دامن میں چل رہا ہے۔ اس مقام کو کوہستانِ نمک کے حکمران کا دار الخلافہ کہا ہے۔ قیاس غالب ہے کہ یہ موجودہ چنیوٹ کا مقام ہے۔ جہاں جوگی ٹلہ کی قسم کا کوئی صوفیوں یا جوگیوں کا استھان تھا۔ جہلم اور چناب کے سنگھم پر پہنچ کر اپنے مشرقی پہلو کے تحفظ کے لئے سکندرِ اعظم جنوب مشرق کی اِن راوی پرانی مقام کی طرف چل پڑا جہاں سے ملی قوم کی آبادیاں شروع ہوتی تھیں۔ ایرین نے اس سفر کی مسافت اور جغرافیائی ویرانی کا بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ ملتے صرف ایک جگہ پانی کا جوہڑ ملا غالباً یہ رچنا اور چج دوآب اس وقت بھی ایسے ویران تھے جیسا کہ حال ہی تک نئی نہروں کے نظام سے پہلے رہے۔ تاریخ اس تعجب انگیز امر کی شاہد ہے۔ اور موجودہ وقت جغرافیائی دریائی آثار بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ کہ ایامِ قدیم سے ہمیشہ شورکوٹ کے قریب جنوب مشرق یا شمال میں جہلم اور چناب کا سنگھم چلا آیا ہے۔ ایرین نے اس سنگھم سے راوی تک پہنچنے کی مسافت ۶۲ میل بتائی ہے (صفحہ ۱۹۷) جو اب بھی شورکوٹ اور کمالیہ کے درمیانی فاصلہ ہے۔ ہڑپہ کمالیہ کے سامنے راوی کے پار سے ان جغرافیائی امور کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایرین کے تذکرہ کی تفصیل پڑھ کر ثابت ہوتا ہے کہ ہڑپہ ہی ملی قوم کے علاقہ کا برہمن گڑھ تھا۔ جس کو ایرین نے برہمن ٹاؤن کہا ہے۔ (صفحہ ۱۹۹) اور یہ ایرین کے بتلائے ہوئے تین برہمن گڑھوں (صفحہ ۱۹۹، ۲۰۹۔ اور ۲۰۹) میں سے پہلا برہمن گڑھ ہے۔ جہاں ملی قوم کے برہمنوں نے سکندرِ اعظم سے یوں دادِ شجاعت لی کہ وہ سب مارے گئے۔ اور وہ ان کا ایک فرد بھی قیدی نہ بنا سکا۔ اس کے برہمن گڑھ

Scanned by CamScanner

کے سر کرنے کے بعد کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ راوی کے ساتھ ساتھ یلغار کرتا ہوا تلمبہ تک آپہنچا جہاں وہ ملی قوم کے ایک اور شہر پر حملہ کرتا ہوا زخمی ہو گیا۔ تفصیل صاف بتاتی ہے کہ وہ شہر وادئ چناب کے سنگم کے قریب اوپر کی طرف راوی پر غالباً تلمبہ ہی تھا۔ گو ملتان اس وقت ملی قوم کا ہی شہر ہوگا۔ مگر وہ اس وقت کے چناب کے پار تھا۔ اور سکندرِ اعظم وہاں نہیں گیا۔ یہ ایک اور تعجب انگیز امر ہے کہ ملتان کے قریب ایام قدیم سے راوی اور چناب کا سنگھم جنوب مشرق یا شمال میں رہا ہے۔ ایرین نے یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ زخمی ہونے کے بعد سکندر راوی کے کنارے پہنچ کر کشتی کے ذریعہ سنگھم پر پہنچا۔ جہاں اس کی دیگر افواج چناب کے راستے پہنچ چکی تھی۔ صاف طور پر بتلایا گیا ہے۔ مفتوحہ ملی قوم کے چناب پار کے باقی ماندہ حصے یعنی ملتان کے نمائندے اسے ملے اور اطاعت قبول کی۔

۴۷۔ ملتان سے لاڑکانہ تک۔ ملی قوم کے نام کی لغوی وضاحت اور ملتان کا ہیرو ڈوٹس کا کیسی پیڑس (کاشی آپا پورہ) ہونے کا ثبوت ۔

اس بہادر قوم کا نام بھی یونانی واقعہ نگاروں کا رکھا ہوا ہے۔ یونانی زبان میں ملوئی لمبے بالوں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جو عربی لفظ لمہ بمعنی زلف سے مشتق ہے۔ چونکہ ان لوگوں کے سر کے بال لمبے ہوتے تھے۔ اس لیے واقعہ

نگاروں نے ان کو تلی کا نام دے دیا۔ یہ علاقہ سخت گرم تھا۔ جہلم اور چناب کا سنگھم شور کوٹ کے قریب اور وادی چناب کا سنگھم ملتان کے قریب اور بیاس کا سنگھم کچھ دور جنوب میں کہروڑ کے قریب تلی قوم اس تمام علاقے کی زرخیزی کے ضامن تھے پنجاب کے چار دریاؤں کا اور دریائے سندھ کا جو عرب میں اس وقت ملتان سے زیادہ دور نہ ہوگا۔ پانی سارا سال موجود رہ کر اس علاقے کو زرخیز بنا دیتا تھا۔ کپاس کی کاشت تاریخِ انسانیت میں سب سے پہلے یہاں ہوئی۔ ہیروڈوٹس نے بھی اپنی تواریخ میں صفحہ ۲۱۵ تا ۲۱۹ میں ملتان کیسی پیٹرس اور اس کے گرد و پیش کے علاقے پیکٹی ایکا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں ایک درخت سا پودا اگتا ہے جس پر پشم اگتی ہے۔ جو بھیڑ کی پشم سے زیادہ نفیس اور عمدہ ہوتی ہے۔ جس کو ہندوستانی اپنے کپڑے بنانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کے سوتی نفیس کپڑے ململ کا نام اس علاقے اور تلی قوم کے نام پر ہے۔ پشتو زبان میں جو پیکٹی ایکا کی موجودہ زبان ہے کپاس کو ملوچہ کہتے ہیں۔ اور وہ اس تلی قوم کے علاقے کے نام کی نسبت سے رکھا گیا ہے۔ ہیروڈوٹس نے صفحہ ۲۱۵ پر دارا اوّل شہنشاہِ ایران کی سلطنت کے بیس صوبوں کی فہرست دی ہے۔ اس کے بیسواں صوبہ انڈیا یعنی ہندوستان دکھایا ہے۔ جس سے مراد وادیٔ سندھ کا علاقہ تھا۔ یہ صوبہ ۳۶۰ ٹیلنٹ (بابلی وزن) سونے کی کترن بطور خراج دیتا تھا۔ اس کا ذکر کرنے کے بعد ہیروڈوٹس یہ بتلاتے ہوئے کہ یہ سونا انڈیا والے کہاں سے حاصل کرتے تھے۔ اس نے صفحہ ۲۱۲ پر کیا ہے، کہ وادیٔ سندھ کے شرق میں ایک بہت بڑا ریتیلا صحرا تھا۔ جس میں مختلف قسم کے مردم خور اور سبزی خور قبیلے رہتے تھے۔ آخر میں وہ اس صحرا کے شمالی ترین حصے

ملتان بقول البیرونی) کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ علاقہ کیسی پیٹرس (یعنی کاشی آپاپورہ ۔ اور پکتی ایکا ولپشت کو ہی یعنی کوہِ سلیمان کے پٹھان) کے متصل تھا جس کے لوگ اپنے ہمسائیوں، باختریہ کے لوگوں کے رہنے سہنے کے طور طریقہ سے مشابہت رکھتے تھے۔ اور تمام ہندوستانیوں سے زیادہ بہادر تھے۔ یہی لوگ جو اس صحرا سے سونا برآمد کرتے تھے۔ اس صحرا میں جو میرے قیاس میں تھل کا موجودہ صحرا ہی مراد ہے۔ ایک جانور کا ذکر کرتا ہے۔ جو ایک بڑی سی چیونٹی یا دیمک تھی لومڑی سے بڑی مگر کتے سے چھوٹی۔ اپنے رہنے کے بل کو بناتے وقت یہ سونے سے بھرپور ریت کو باہر نکال کر ڈھیر لگا دیتی تھی۔ اگر کوئی اس کے بل کے قریب آتا تو کاٹنے کو دوڑتی۔ یہ بہادر پٹھان گرم وقت میں جب وہ اپنے بل میں چھپی ہوتی تھی، تیز رفتار اونٹوں پر جا کر ریت کی بوریاں بھر کر بھاگ آتے تھے۔ آج بھی دریائے سندھ پر تاربیلہ ڈیم کے سامنے بستیوں کے باشندوں کو دریائے سندھ کی ریت سے سونے کے ذرات کو معروف عام طریقوں سے جدا کر کے روزی کماتے دیکھا ہے۔ یہی دریائے سندھ تھل کے صحرا میں میانوالی سے شورکوٹ سدھنائی، کچا کھوہ اور ملیسی کے راستے ڈیرا وڑ تک جاتا تھا۔ جہاں آج پانچ ہزار سالہ تاریخ چشمہ جہلم میلسی نہر کی صورت میں دہرائی جا رہی ہے۔ اس سونے کی موجودگی کی وجہ سے ملتان کا قدیم نام بھی کاشی آپاپورہ پڑ گیا۔ یعنی دریا کے کنارے والا سونے کا شہر۔ کاشی سونے کے رنگ والے کو کہتے ہیں۔ ہیروڈوٹس سے ہزار سال بعد آنیوالے محمد بن قاسم عرب جرنیل کو اس ملتان میں ایک مندر سے دو سو تیس من اور چالیس مٹکے سونے کی کترن کے ملے۔ (چچ نامہ صفحہ ۵۲۱ حاشیہ صفحہ ۴۴۳) ثابت ہوا کہ البیرونی کا نیا نظریہ صحیح تھا۔ کہ ملیوں کا ملتان قدیم زمانے

Scanned by CamScanner

کاکاشی آپاپوزہ تھا۔ جس کو ہیروڈوٹس نے کیسی پیٹرس کہا۔

۴۸۔ ملتان سے لاڑکانہ تک ملّی قوم کے سسرال آکسی ڈرائیکی (سوگڈیائی۔ سوڈی) کا حدود اربعہ اور ان کے نام کی لغوی وضاحت اور اس تثلیثی اقوام کی اہم خصوصیت یعنی سر کے لمبے بالوں کی توضیح

آیئے اب تثلیث اقوام کی تیسری شریک قوم آکسی ڈرائیکی، یا سوگڈیائی (سوڈھی) کو تلاش کریں۔ یہ ملی قوم کے عزب میں دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر موجودہ ضلع ڈیرہ غازی خان اور ضلع مظفر گڑھ کے جنوبی حصوں میں اوچ سے لیکر کوہِ سلیمان کے دامن میں کالا زور کوہی کے کنارے داجل تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے نمائندوں نے بھی یہاں آکر اطاعت قبول کی۔ اوچ کے قریب کی سوڈی قوم کو مختلف یونانی جغرافیہ دانوں نے، سوگڈیائی۔ سوڈرائی یا سیوی کہا ہے۔ مگر ایرین نے سکندرِ اعظم کی فوج کے واقعہ نگاروں کا رکھا ہوا نام آکسی ڈرائیکی لکھا ہے۔ کیا یہ نام اس امر کی دلالت نہیں کرتا۔ کہ اس وقت بھی داجل نسل کے بیل۔ اپنی خصوصیات کے مالک تھے۔ جن کی وجہ سے آج بھی مشہور ہیں۔ سنسکرت

میں بیل کو اُکش کہتے ہیں۔ جس سے لفظ آکسی بمعنی بیل مشتق ہے ۔ اس نام کا آخری جز ڈرائیکی بھی یونانیوں کا رکھا ہوا ہے ۔ اس کے معنی سانپ کے ہیں۔ انگریزی لفظ ڈریگن بمعنی اژدہا اسی یونانی لفظ ڈرائیکی سے مشتق ہے ۔ غالباً ان کے بھی بڑے لمبے لمبے بال ہوتے تھے ۔ وہی پرانا قصہ سانپ کی طرح لہراتی ہوئی زلفوں کے تخیل کا ہے ۔ ہیروڈوٹس نے ملتان کا ذکر کیسی پیٹریس کہہ کر یونانی امیر البحر سکائی لیکس کے دریائی دورے کے آغاز کے مقام کے طور پر کیا تھا۔ (صفحہ ۲۵۶) سکائی لیکس کے دورے کی تفصیل کی اصل کتاب تو یونانیوں کے وقت ہی میں غائب ہو گئی تھی۔ لیکن اس کا ایک اقتباس ایک دوسرے یونانی سیاح اولس کرائٹس نے اپنی کتاب میں دیا ہے ۔ کہ سکائی لیکس دریا کے کنارے رہنے والی ایک قوم کے بڑے قلعہ پر پہنچا، اس قوم کا نام اوپیا آئی تھا۔ یونانی زبان اوپس سانپ کو کہتے ہیں۔ جو عربی لفظ افعی سے مشتق ہے جس کے معنی سانپ کے ہیں۔ دیکھ لیں بات اس سانپ جیسی زلفوں پر آکر ختم ہوئی ۔ خدا جانے ہڑپہ میں بھی جس کو میں نے اوپر تلی قوم کا برہمن گڑھ کہا ہے، آخری جز اپہ اسی سانپ جیسے بڑے بالوں کی نسبت سے رکھا گیا ہو۔ ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ رگ وید میں ہڑپہ کو ہری آپا کہا گیا ہے۔ رگ وید کا نام بھی یونانی زبان سے غالباً نسبت رکھتا ہے ۔ آج بھی یونانی لفظ ریجس رائل بادشاہوں کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ میرا قیاس غالب ہے کہ کوہ ہمالیہ کے پہاڑی دامنوں کے جنگلوں میں رہنے والے آریاؤں کی نظر میں جن کے نمائندے راجہ پورس اور ابی سارس تھے ۔ پنجاب کے دریائی میدانوں میں رہنے بسنے والی

ویں بہادر بھی تھیں اور خوش قسمت بھی۔ رگ وید میں اسی پہاڑی اور میدانی قوموں کے رشک اور حسد کے قصے ہیں۔ چونکہ پنجاب کے میدانوں کی سنگلی۔ ملی اور سوڈی خود مختار قومیں لمبے بالوں والی ان کے غرب میں تھیں۔ اس لیے لمہ کا لفظ غرب کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ جیسا کہ آج بھی سرائیکی زبان میں راسخ ہے۔ اور اسی نسبت سے کہ سرائیکی بولی لمبے بالوں والی قوموں کی زبان تھی۔ جو غرب میں رہتی تھی۔ سرائیکی زبان کو بھی لہندہ کا نام دے دیا گیا۔ جس کے معنی اترنے یا غروب ہونے کے ہیں۔ چونکہ سورج غرب میں اُترتا ہے۔ یعنی غروب ہوتا ہے۔

۴۹۔ مُلتان سے لاڑکانہ تک۔ سندھ اور چناب کے سنگھم پر سکندرِ اعظم کے تعمیر کردہ شہر کا موجودہ کہروڑ پکا ہونے کا ثبوت

مُلتان کے سامنے شرق میں راوی اور چناب کے سنگھم سے چل کر سکندرِ اعظم بیاس اور چناب کے سنگھم کو نظر انداز کرتے ہوئے چناب اور سندھ کے سنگھم پر آ پہنچا غالباً بیاس کا سنگھم بھی اس سنگھم کے اوپر قریب ہی تھا۔ جہاں اس نے اپنا مشہور عالم حکم دیا کہ اس سنگھم کے اوپر ایک شہر آباد کیا جائے جو رہتی دنیا تک قائم رہے۔ اور اس شہر کے متعلق تمام قیاس آرائیاں اوچ کے قدیم شہر پر مرکوز رہی ہیں۔

تاریخ اور جغرافیہ کا ایک افسوسناک امر یہ بھی ہے کہ سیاحوں اور جغرافیہ دانوں

Scanned by CamScanner

کے سفر کے دوران کئی تاریخی مقامات اور دیگر جغرافیائی شواہد ان کی نظروں سے اوجھل رہے، ضلع ملتان کی تحصیل میلسی کا کھروڑ پکا اور تحصیل رحیم یار خان کا پتن منارہ ان میں سے دو ہیں۔ دریائے بیاس کے قدیم آثار کھروڑ پکا کے شمال میں اور تلمبہ کے قریب سے آنے والے چناب کے قدیم آثار اس کے غرب میں آج بھی موجود ہ چناب کے پار ضلع مظفر گڑھ میں روہیلاں والی کے قریب جنوب مشرق... کے رخ کھروڑ کی سمت پڑے ہیں۔ سکندر اعظم کے بعد جیسا کہ تاریخ شاہد ہے۔ ۵۷ قم میں ملی قوم نے اسی مقام کھروڑ پکا پر ستھین قوم کو شکست دے کر اپنے وطن سے نکال باہر کیا تھا۔ ایام قدیم سے دریا مواصلات کا ذریعہ تھے۔ سکندر اعظم اور ستھین اور ملی جرنیلوں کی نظر میں مواصلات کے سنگھم پر قبضہ اتنی فوجی اہمیت رکھتا تھا جتنا آج کے جرنیلوں کی نظروں میں اہم ریلوے جنکشن۔ ایرین کی شہادت موجود ہے کہ سکندر اعظم نے یہاں اپنی یونانی فوج کا ایک اہم حصہ اہل تھریس کی پوری فوج کو اس سنگھم کے نئے شہر کے لئے چھوڑ دیا (صفحہ ۲۰۷) اور اس سنگھم پر دریائی جہازوں کیلئے پختہ گودیاں بنوائیں۔

۵۰۔ ملتان سے لاڑکانہ تک۔ راوی اور بیاس کے درمیان اور کنار بیاس کی اقوام آبستانی یاتری اور سادینمیز کا ذکر

جب سکندر اعظم کنار راوی سے چناب اور راوی کے سنگھم پر پہنچا تھا

تواس نے جنرل پرڈیکا کو کنار بیاس کی اقوام کو سر کرنے کے لیے روانہ کیا۔ سندھ اور پنجاب کے سنگم پر اس کی واپسی کی انتظار کی گئی۔ (صفحہ ۲۰۷) دوران مہم جنرل پرڈیکا نے دو اقوام آبستانی اور یاتری کو مغلوب کیا۔ یاتری قوم نے اور ان کی قسم کی دوسری خود مختار اقوام نے سکندر کے لئے نئی کشتیاں بنا کر پیش کیں۔ جیسا کہ عرض ہوا تھا۔ دریاؤں کے نام یونانیوں کے خود ساختہ ہیں۔ یونانی میں پانی کو ہائڈرو کہتے ہیں۔ جہلم کا نام اس نسبت سے ہائڈسپیز رکھ دیا۔ راوی غالباً دو یا زیادہ دریاؤں یا رودکوہیوں کا مجموعہ تھا۔ اس لئے اس کو ہائیڈروٹس کر دیا۔ بیاس کا نام ایک اور نسبت سے ہائیفنیس رکھ دیا گیا۔ اس کے معنی پرندے کے دو تین شاخوں والے پاؤں کے ہیں۔ جس طرح بطخ کے پاؤں کو دیب کہتے ہیں۔ یعنی پنجہ۔ غالباً دریائے بیاس جب پنجاب میں آکر ملتا تھا تو اس کی بہت ساری شاخیں بن جاتی تھیں۔ ان شاخوں کے درمیان سیلاب بھرا رہتا تھا۔ جس طرح بطخ کے پنجے میں جھلی۔ غالباً ایسی ڈیلٹائی علاقے میں قوم آبستانی رہتی تھی۔ ممکن ہے یہ نام ایرانیوں نے آب یعنی پانی کی نسبت سے رکھا ہو۔ اور اسی قسم کی قوم یاتری بھی تھی جو پانی کے ساتھ ساتھ سکڑنے اور پھیلنے اور چھلنے پر نقل مکانی کرتی تھی۔ سنسکرت میں یاتری خانہ بدوش لوگوں کو کہتے ہیں۔ آج بھی ضلع ملتان کے اندر چھ اقوام جھبیل، کیہل، لبانا، ہیتم، اوڈ بکھی دار، دریاؤں کے کنارے رہتے ہیں۔ کشتیاں بناتے بھی ہیں اور چلاتے بھی ہیں۔

تیسری قوم سادینیز کا ذکر ایک منظم اور متمدن قوم کی طرح کیا گیا ہے۔ ان کے سفراء نے آکر اطاعت قبول کی۔ جنرل کنگھم نے ان کو صوتی نسبت سے اجودھن سمجھا

Scanned by CamScanner

ہے۔ موجودہ پاکپتن کا قدیم نام اجودھن ہے۔ میری رائے میں رام چندرجی کا اجودھیہ بھی یہی تھا۔ جنرل کننگھم نے موجودہ جوئیہ قوم کو سکندرِ اعظم کے وقت کے اجودھنز کہا ہے۔ یہ صحیح گمان ہے کیونکہ آج بھی یہ جوئیہ قوم پاکپتن سے لیکر کہروڑ پکا تک موجودہ دریائے گھارا کے دونوں کنارے آباد ہے۔ اور کہروڑ پکا کو میں نے سکندرِ اعظم کے وقت میں چناب اور سندھ کے سنگھم پر بنا ہوا شہر کہا ہے۔

۵۱۔ مُلتان سے لاڑکانہ تک

قدیم زمانہ میں اوچ اور لاڑکانہ دریائے سندھ کے ایک ہی طرف دائیں طرف تھے

اس سنگھم سے چلتے وقت سکندرِ اعظم نے اپنی فوج کی ترتیب میں خصوصی تبدیلی کی۔ اس نے حکم دیا کہ ہاتھی اور دوسرا بھاری اسلحہ بائیں کنارے چلے کیونکہ دایاں کنارہ اسی فوج کیلئے ناقابل سفر تھا۔ (صفحہ ۲۰۷) یہ امر شاہد ہے اس بات کا اور اس کی شہادت ۴۷۵ سال بعد کشن راجہ کنشکا کے وقت میں آنے والے یونانی جغرافیہ دان پٹالمے کے ۱۵۰ء میں تیار کردہ نقشہ سے مل جاتی ہے۔ اس سنگھم کے نیچے دریائے سندھ کے دائیں طرف کوہِ سلیمان سے چھوٹے بڑے کوہستانی نالے آپڑتے تھے اور دریائے سندھ چناب کا پانی لینے کے بعد خود بھی کوہِ سلیمان کے دامن کے نشیبوں میں اپنی نشانیں نکال

ڈالتا تھا۔ ان شاخوں کی شہادت موجودہ دریائے سندھ کے پار ضلع جیکب آباد، ضلع سکھر، ضلع لاڑکانہ اور ضلع دادو میں تا جھیل منچھر اور سہوان مل جاتی ہے۔ اسی پانچ شاخوں کے نکلنے کے آثار کشمور کے قریب سے لاڑکانہ تک ملتے ہیں۔ آخری اور پانچواں قدیم دریائی راستہ لاڑکانہ کے قریب سے نکل کر موہنجو ڈارو کے غرب میں قریب ہی جاتا ہے۔ یہ تمام راستے جیکب آباد کے شمال اور لاڑکانہ کے جنوب میں موجودہ دریائے سندھ سے چل کر گڑھی خیرو اور ایک دوسرے مقام نیبرو پر مجتمع ہو جاتے ہیں۔ نئی گڈو بیراج کی نہریں اور پرانے سکھر بیراج کی نہریں اپنی دریائی راستوں کے رُخ بہتی ہیں۔ اور بعض تو ان کو استعمال کر چکی ہیں۔ موجودہ سطح زمین کی سطح سمندر سے فراز کی لیول اب بھی صاف بتاتی ہے۔ کہ خانپور (ضلع رحیم یار خان) سے موجودہ نہروں کا پانی بھی جیکب آباد تک پہنچ کر سیراب کر سکتا ہے۔ ان کی سطح کے لیول بھی علی الترتیب ۲۹۵ ۱۸۵۔ اور درمیانی فاصلہ ۱۳۶ میل ہے، یہ تقریباً ایک میل میں ایک فٹ سلامی ہے۔ جو واٹر کورس کی ہوتی ہے۔ جبکہ دریا دو سے تین میل تک کی لمبائی میں ایک فٹ کی سلامی رکھتے ہیں۔

آج کے جغرافیہ دانوں نے بھی صوبہ سندھ کے ضلع جیکب آباد اور ضلع لاڑکانہ کے سندھ ڈھورو اور ضلع دادو کے سندھ حالو کا ذکر کیا ہے۔ اور دادو کے کوہ کیرتھر کے دامن کے علاقہ میں مختلف بارانی جھیلوں کی موجودگی اس امر کی مزید شاہد ہیں۔ منچھر جھیل ان میں آخری اور نمایاں ہے۔ ایک اور جغرافیائی امر قابل ذکر ہے کہ تقریباً اپرچ کے عین سامنے داجل کے قریب کوہ سلیمان

Scanned by CamScanner

اپنا شمالاً جنوباً رُخ تبدیل کر کے سبّی کی طرف شمال مغرب کے رُخ مڑ جاتا ہے یہ فزیکل عمل غالباً کوہِ سلیمان اور کوہِ کیر تھر کے درمیان ایک نشیبی کوکھ (کچھی) بن جانے پر منتج ہوا۔ دریائے سندھ تو ابھی موئنجو ڈارو کے مشرق میں پہنچا ہے۔ اور اس کے لئے الاٰ خطرہ بن چکا ہے۔ غالباً چناب ...... اور سندھ کے سنگھم کے نیچے قدیم تاریخ کے ایام میں دریائے سندھ کے غرب میں یہی نکلنے والی پانچ شاخیں اور سبی و ڈھاوڑ پر نکلنے والے بلوچستانی دریا، دریائے ناری اور دریائے بولان دراصل ضلع لاڑکانہ کے موئنجو ڈارو کی زرخیزی اور خوشحالی میں شریک تھے۔

۵۲۔ مُلتان سے لاڑکانہ تک

سوگڈیا کے محل کے جائے وقوع کی وضاحت

پنجاب اور سندھ کے سنگھم سے چلنے کے بعد سکندرِ اعظم ایک مقام سوگڈیا پر پہنچ گیا۔ جس کو ایرین نے رائل پیلس آف سوگڈیا کا نام دیا ہے۔ (یعنی سوگڈیا کا محل) جنرل کنگھم نے موجودہ دور کے چناب سندھ سنگھم کے، کوٹ مٹھن پر ہونے کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ضلع رحیم یار خان کے مقام سرواہی (سیوراہی) کو سوگڈیا کا محل قرار دے دیا۔ جنرل کنگھم کا یہ قیاس ایک صدی پہلے کے عدم سہولتِ سفر کی مشکلات کے زمانے میں قابلِ تحسین تو ہے مگر قابلِ یقین نہیں۔ شمالی کرۂ ارض میں چلنے والے میدانی دریا خطِ استوا اور قطب شمالی پر گردش زمین میں فرق کی وجہ سے ہمیشہ اپنا شمالی کنارہ

Scanned by CamScanner

کاٹ کاٹ کر شمال اور غرب کی طرف ہٹتے رہے ہیں ۔ اسی طرح ڈھائی ہزار سال پہلے دریائے سندھ کو اس مقام پر موجود سمجھ لینا غلط ہے ۔ آیرین کے طرزِ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام اس وقت کے سندھ چناب سنگھم کے قریب ہی نیچے تھا ۔ کیونکہ اس تھوڑے سفر میں کسی واقعہ کے رونما ہونے کا ذکر نہیں ہے ۔ اور دوسری چیز قابل غور یہ ہے کہ اگر شاہی محل سے مراد شاہی دار الخلافہ ہے تو کسی مقابلے کا ذکر ہوتا جو مفقود ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مملکت کے حکام سے پہلے ہی مصالحت ہو چکی تھی ۔ اور یہ قیاس ۔ صحیح بھی ہے ۔ کیونکہ آکسی ڈرائیکی قوم کے ساتھ راوی چناب کے سنگھم پر صلح ہو چکی تھی ۔ اور یہ ان کی راجدھانی تھی ۔ اکثر مورخین نے ایرین کی تاریخ میں ستلج کے ذکر کی ناموجودگی کا شکوہ کیا ہے دراصل اس محل سوگدیا پر ستلج اور سندھ کا سنگھم تھا ۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سکندرِ اعظم نے یہاں بھی پختہ گودیوں کی تعمیر کرائی اور اپنی کشتیوں کے بیڑے کی مرمت بھی کرائی ۔ اور ایک قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا ۔ سکندرِ اعظم نے جیسے کہ سندھ اور چناب سنگھم پہ ایک شہر اور پختہ گودیاں تعمیر کرائیں تھیں ۔ اسی طرح اس سنگھم سے تھوڑے فاصلے پر نیچے قلعہ اور پختہ گودیاں بنوانے کی صرف ایک وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ بھی ایک مواصلاتی جنکشن تھا ۔ اور اس لیے اہمیت رکھتا تھا ۔ قیاس غالب ہے کہ یہی ستلج اور سندھ کا سنگھم تھا ۔ چونکہ ستلج ان قدیم ایام میں شمال کی طرف قانونِ غرب روی کے تحت زیادہ نہ بڑھا تھا ۔ اور چناب اور سندھ اسی قانون کے تحت زیادہ غرب میں نہیں بڑھے تھے ۔ اور اسطرح ان کا مقام اتصال ابھی تک ستلج کے

شمال میں تھا۔
آیئے ہم سوگڈیا کی اصطلاح کی وجوہ کو تلاش کریں جن کی بناء پر یونانیوں نے یہ نام رکھا۔ جب سکندرِ اعظم وادیٔ سندھ میں آنے سے پہلے کوہ ہندوکش کو عبور کر کے باختریہ کو فتح کر کے دریائے آکسس (جیحوں) کی طرف بڑھا تو موجودہ روسی ازبکستان کا نام سوگڈیانا رکھا تھا موجودہ تاشقند اسی ملک کا اب دارالخلافہ ہے۔ اور اس کے قریب اوچ کرغان اور اوچ آدجک ہیں۔
ساگ (ایس۔ او۔ جی) انگریزی لغت (چیمبرز ڈکشنری) کے مطابق ایک گیلے مقام کو کہتے ہیں۔ جس میں دلدل ہو۔ اس کے ماخذ سے لغت میں لاعلمی ظاہر کی گئی ہے۔ جیسا کہ فصل ۱۵ میں اوپر کہا گیا ہے۔ سکندرِ اعظم نے ہاتھیوں اور بھاری اسلحہ کو دائیں جانب نہیں جانے دیا تھا۔ یہ تصدیق ہو جاتی ہے۔ اس امر کی کہ اس طرف نشیب ہونے کی وجہ سے دریا کا سیلاب نکلا کرتا تھا۔ اور دلدلیں بنی رہتی تھیں۔ ہماری اپنی زبان سرائیکی میں ساگ سبز پتوں والی سبزیوں سے بنی ہوئی لغدہ نما پلپلی غذا کو کہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ازبکستان کو بھی ایسی سیلابی دلدلوں کی موجودگی کی وجہ سے سکندرِ اعظم نے سوگدیانا کا نام دیا تھا۔ اور وادیٔ سندھ کے اس سیلابی علاقے کو سوگدیا کہ دیا۔ اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اس علاقے کے باشندوں کو آکسی ڈرائیکی کا نام دیا گیا۔ کیونکہ وہ ان سیلابی علاقہ کی چراگاہوں میں مویشی پالتے تھے۔ اور بعد میں ان کو سوگڈیائی اور سوڈی اور سیوی نام دے دیا گیا۔

Scanned by CamScanner

یقین غالب ہے کہ موجودہ اوچ کے کہیں قریب اس زمانے کا سوگڈیا کا محل تھا۔ اور اس وقت دریائے سندھ کے دائیں کنارے سے کچھ فاصلے پر تھا۔ پٹالمے نے ۱۵۰ء میں اوچ کو آرسٹو بوتھرا لکھا ہے۔ اور جیسا کہ اوپر ایک پہلی فصل میں عرض کیا جا چکا ہے۔ دریائے سندھ اس وقت موجودہ احمد پور شرقیہ کے کہیں نزدیک تھا۔ جہاں اس کے ساتھ اس زمانے کے دریائے ستلج کا سنگم تھا۔

سیتھین قوم دریائے جیحون کے کنارے اس زمانے کے سوگڈیانا (موجودہ ازبکستان) میں آباد تھی جیسا کہ اوپر فصل ۲۹ میں وادئ سندھ کے حکمرانوں کے چوتھے دور۔ ساکا دور کے ذکر میں عرض کیا گیا ہے۔ کہ باختریوں کے بعد ۱۳۰ ق م میں مشرقی ترکستان میں رہنے والی، ترکی یا سیتھین نسل کا قبیلہ شمال سے کراکرم کے راستے وادئ سندھ میں گھس آیا۔ ان کو ان کے قبیلہ کے ایک دوسرے حصہ نے جن کو یوچی کہتے ہیں ۱۶۰ ق م میں ان کے وطن مشرقی ترکستان سے نکال دیا تھا۔ قدرت کا کرنا دیکھیے کہ اب اسی ساکا قوم کے ایک تیسرے قبیلے اولیغر یا اُس نے اپنے وطن ترکستان سے یوچی قبیلہ کو مغربی ترکستان دھکیل دیا۔ جہاں وہ دریائے آکسس کے دونوں کناروں پر آباد ہو گئے۔ یوچی قبیلہ کے پانچ حصے تھے، جن میں سب سے بڑا کشنا قبیلہ تھا اس کے سردار کدوفیسس اول نے اپنی قوم کے پانچوں قبیلوں کو متحد کر لیا اور افغانستان کو فتح کرنے چل پڑے۔ اور پھر وادی سندھ کی انڈو پارتھین حکومت پر حملہ کر دیا۔ اور ان کا خاتمہ کر دیا (غالباً مروٹ اور ڈیرا اور کے درمیان

Scanned by CamScanner

میں کڈوالا اسی کڈفیس کی یادگار ہوگا) اور اس کی بجائے کشنا سلطنت قائم کردی۔ مگر یہ سلطنت کشمیر پنجاب اور بہاولپور سے آگے نہ بڑھی۔ اوچ سے ۱۴ میل شرق والے احمد پور شرقیہ سے ۱۲ میل دور شرق والے سوئی دیہاڑ کے کتبہ سے پایا گیا ہے کہ یہ دیہاڑ اسی کشنا خاندان کے راجہ کنشکا کے وقت میں اس کی تخت نشینی کے گیارہ سال بعد ۱۲۶ء میں تعمیر ہوا۔ اس بادشاہ کے وقت میں کشنا سلطنت کا عروج تھا۔ یہ بادشاہ غالباً ۱۲۵ء میں تخت پر متمکن ہوا۔ اور بدھ مذہب اختیار کرلیا۔ اس تبدیلیٔ مذہب کی یادگار میں اس نے ایک میڈل جاری کیا۔ جس میں گوتم بدھ کی شکل کندہ کردی تھی یہ میڈل ۱۵۲ء میں جاری ہوا۔ اس طرح یہ ثابت ہوگیا کہ ٹالمی کے نقشہ میں وادیٔ سندھ کی جغرافیائی حالت اسی راجہ کنشکا کے وقت کی ہے میری رائے یہ ہے کہ موجودہ اوچ کے ارد گرد کا علاقہ وادیٔ سندھ کے حکمرانوں کے ہر دور میں دارالخلافہ رہا۔ اور ٹالمی نے آرسٹو بوتھرا لکھ کر اس وقت کے حکمران کنشکا کے دارالخلافہ کی نشاندہی کی ہے۔ انگریزی لغت میں آرسٹو کے لفظ سے مخصوص با اختیار طبقہ مراد ہے۔ اور بوتھرا سے غالباً مسکن، رہائش گاہ مراد ہے، یہ ترکیب دارالخلافہ کے مقام کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ چونکہ اس وقت ستھین قوم کا یوچی قبیلہ کے کشنا حصہ کا کنشکا برسرِ اقتدار تھا۔ اسی لیے یہی کنشکا کا دارالخلافہ تھا اور یوچی قبیلہ کے نام پر اس شہر کا نام یوچی (وائی۔ یو سی۔ ایچ۔ آئی) تھا۔ الفرڈ ہو عرفل نے اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۴۶ میں یوچی کا یہی انگریزی ہجا دیا ہے۔ حالانکہ اصل تلفظ صرف یو۔ سی۔ ایچ تھا۔ آج بھی مشرقی ازبکستان کے دارالخلافہ تاشقند کے شرق میں اوچ کرغان اور اوچ ادچک

Scanned by CamScanner

کے شہروں کے نام انہیں تین حروف یو۔ سی۔ ایچ کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔
اس طرح ثابت ہوا کہ اوچ کا نام اسی وجہ سے آجتک اوچ مشہور ہے۔ یہ ٹیالے کا ارسطو بوتھرا تھا اور کنشکا کا دار الخلافہ یعنی یوچی قوم کا دار الخلافہ جس طرح مظفر گڑھ کا سیت پور۔ سیتھین کے دور میں دار الخلافہ تھا۔ اور کوٹلہ موسیٰ خان کے قریب ہتھیجی سفید ہن قوم (ہیتل قوم) کے وقت میں دار الخلافہ تھا۔ اسی واسطے تو یہ روائت مشہور ہے کہ یہ تینوں شہر مختلف ادوار کے اوچ تھے۔ جس طرح جمنا کے کنارے دہلی کے کھنڈرات دُور دُور تک مختلف حکمرانوں کے ادوار کے صدر مقاموں کے کھنڈرات ہیں۔ وادئ سندھ میں اوچ کے گرد و پیش کے علاقے کو مرکزی حیثیت رہی ہے۔ سکندرِ اعظم کے وقت میں سوگڈیا کا محل بھی اس قرب و جوار میں تھا۔ آکسی ڈرائیکی کو سوگڈیائی کہا گیا ہے۔ اور پھر سوڈی اور پھر سیوی اور پہلے جیسا کہ عرض ہو چکا ہے سوئی دلدلی علاقے کو کہتے ہیں۔ جس میں پانی کی جھیلیں ہوں۔ ہندوستان کا سوراشٹر اور یورپ کا سویڈن اسی نسبت سے موسوم ہیں۔ اور غالباً اوچ سے لیکر سیوان تک سارا علاقہ اسی سیوی قوم کا علاقہ تھا۔

۵۳۔ مُلتان سے لاڑکانہ تک۔ سکندرِ اعظم کی سلطنتِ میسوسِی کینس کے دارالخلافہ میں آمد

سوگڈیا کے محل سے روانگی کے بعد وہ بڑی تیزی سے شاہِ میسوس کنیش کی سلطنت کی حد پر پہنچ گیا۔ پیشتر اس کے کہ اس حکمران کو سوگڈیا سے روانگی کی

اطلاع ملی اس وقت تک نہ تو اس حکمران نے خود آکر اطاعت تسلیم کی تھی اور نہ کوئی نمائندے بھیجے تھے۔ اس کی سلطنت ہندوستان میں سب سے زیادہ امیر سمجھی جاتی تھی۔ وہ سکندرِ اعظم کی آمد سے گھبرا گیا۔ اور فوراً قیمتی تحائف اور اپنے تمام ہاتھی لے کر پیش ہو کر معذرت خواہی کی۔ اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی اور اپنی رعایا کی طرف سے اطاعت کا اظہار کیا۔

سکندرِ اعظم کے دل کو موم کرنے کے لئے غلطی کا اعتراف ایک بڑا کارگر نسخہ تھا۔ چنانچہ سکندرِ اعظم نے اسے معاف کر دیا۔ اور اس کا اپنی سلطنت پر نام رہنا منظور کر لیا۔ سکندرِ اعظم نے اس کے ملک کی زرخیزی اور اس کے دارالخلافہ کی خوبصورتی کو سراہا۔ سکندرِ اعظم نے جنرل کریٹرس کو جو سندھ کے بائیں کنارے بحری بیڑے کے ساتھ ساتھ نگرانی کرتا ہوا آرہا تھا۔ حکم دیا کہ وہ دارالخلافہ کے اندرونی قلعہ کو مضبوط اور اس میں یونانی افواج کو تعینات کرے۔ حکم کی پوری تعمیل سکندرِ اعظم کی موجودگی میں کر دی گئی۔ کیونکہ قرب و جوار کے قبائل کی نگرانی کے لئے یہ موزوں مقام تھا۔ اور اس لیے اس کو مرکزی چھاؤنی کا درجہ دے دیا گیا۔

اب تک مورخین کے سامنے قابلِ حل سوال یہ رہا ہے۔ کہ سلطنت میوسی کینش کا دارالخلافہ کہاں واقع تھا جنرل کنگھم نے ضلع رحیم یار خان کے سرواہی (سیوراہی) کو سوگڈیا کا محل تصور کرتے ہوئے جیسا کہ فصل ۵۲ میں عرض ہوا ہے۔ ۹۰ میل نیچے موجودہ سکھر اور روہڑی کے سامنے اس سے ۵ میل جنوب مشرق میں پہاڑی پر واقع ایک نام نہاد شہر الور کو میوسی کینش کا

دارالخلافہ تصور کیا ہے ۔ قارئین کے سامنے گذشتہ فصل میں دلائل کے ساتھ احمد پور شرقیہ سے ۱۴ میل غرب والے اوچ کے مقام کو سوگڈیا کا محل ثابت کیا جا چکا ہے ۔ ایسے ہی مضبوط دلائل کے ساتھ یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے ۔ کہ اوچ سے تقریباً ۹۰ میل دُور موجودہ رحیم یار خان سے ۷ میل جنوب مشرق میں واقع پتن منارہ میوسی کینس کی سلطنت کا دارالخلافہ تھا ۔ خدا جانے کنگھم جیسے جغرافیہ دان اور مورخ کی نظر سے پتن منارہ جیسا بلند و بالا آثارِ قدیمہ جس پر اب تک بدھ مت کی ایک خانقاہ کا پختہ مینار کھڑا ہے ۔ کیوں اوجھل رہا ۔ اس کے ارد گرد ۲ میل کے اندر اندر دروازہ کا کھنڈر ۔ کھوکھر کا کھنڈر ۔ بندور کا کھنڈر ۔ اور مؤ مبارک کا سراہی جیسا بلند و بالا ٹیلہ نما قلعہ اور تاجگڑھ کا سراہی جیسا بلند و بالا ٹیلہ نما قلعہ آج بھی پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ مقام ہزارہا سال تک اس علاقہ کے تمدن اور تہذیب کا گہوارہ رہا ہے ۔ جس طرح اوچ کے گردو پیش کا ۱۰ میل کے اندر اندر کا آثارِ قدیمہ سے پُر علاقہ اس علاقہ کی تہذیب و تمدن کا مرکز رہتا تھا ۔ سراہی اوچ کے مقابلے میں جیسا کہ راقم کے مشاہدہ میں آیا ہے صرف ایک انفرادی ٹیلہ نما قلعہ ہے ۔ اور پتن منار سے کے علاقے کے مقابلہ میں روہڑی کے مقام سے ۵ میل جنوب مشرق والا ایک پہاڑی پہ واقع نام نہاد اور ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے ۔ اور باوجود سکھر بیراج کی نار اکینال کے اس کے قریب بہہ جانے کے آج بھی اس کے گردو پیش چٹیل میدان پڑا ہے ۔ کیونکہ دریائے سندھ کی اس نہر کا پانی اس رقبہ پر چڑھ کر سبزا نہیں کر سکتا ۔ جبکہ ایرین نے میوسی کینس کے دارالخلافہ کو ایک خوبصورت شہر اور اس کی سلطنت کو ایک سرسبز خوشحال اور امیر ترین سلطنت بتایا ہے ۔

جو الور کو دیکھ کر بعید از گمان معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں پتن منارہ کا گرد و پیش آج بھی ایک زرخیز اور متمول ترین علاقہ ہے۔ اور مفصلہ بالا تمام کھنڈرات سرسبز و شاداب لہلہاتے کھیتوں کے درمیان کھڑے ثبوت بہم پہنچا رہے ہیں۔ کہ میوسی کینس کا دارالخلافہ یہی پتن منارہ تھا۔ جس سے سات میل شمال مغرب میں موجودہ رحیم یار خان کا صنعتی اور تجارتی شہر اس کا تاریخی وارث ہے

آیئے ہم مختلف ادوار پتن منارہ اور اس کے گرد و پیش کے کھنڈرات کو مختلف ناموں کے ساتھ ایک عظیم شہر اور دارالخلافہ چلے آنے کے حق میں دلائل تلاش کریں۔ سکندر اعظم کے وقت میں سلطنت میوسی کینس کا یہی پتن منارہ یا اس کے قریب کا کوئی کھنڈر دارالخلافہ تھا۔ بطالمہ کے ۱۵۰ء کے نقشہ میں کشن مہاراجہ کنشکا کے وقت کا بنیا گارا اسی پتن منارہ کے گروپ کا کوئی کھنڈر تھا۔ ہیون سانگ کی آمد پر اس وقت کے سندھ کے برہمن حکمران کا دارالخلافہ بھی یہی پتن منارہ تھا۔ جس کو ہیون سانگ نے پی پشو۔ لو۔ پولو کا نام دیا ہے۔ ہیون سانگ کے ستر سال بعد آنے والے محمد بن قاسم عربی کا فتح کردہ راجہ داہر کا دارالحکومت ارور بھی یہی پتن منارہ تھا۔ ارور عربی زبان میں شہر کو کہتے ہیں۔ شہر یا اریاستی کسی ملک کے دارالخلافہ (میٹروپولس) کو کہتے ہیں۔ گو اب عام طور پر کسی چھوٹے یا بڑے شہر کو بھی یہی نام دیا جاتا ہے۔ اُرد کے صحیح معنی میٹروپلس یعنی دارالخلافہ کے ہیں۔ عربوں نے داہر کے دارالخلافہ کو ارور کا نام دے دیا۔

Scanned by CamScanner

۵۴ - مُلتان سے لاڑکانہ تک

کیا پٹن منارہ سلطنتِ میسوسی کینس کا دارُالخلافہ تھا

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ اکثر مؤرخین کی رائے ہے کہ سکھر اور روہڑی کے قریب کا نام نہاد الور سلطنت میسوسی کینس کا دارالخلافہ تھا۔ مگر یہ قیاس سکندرِ اعظم کی رائے کے ساتھ کہ سلطنت میسوسی کینس ایک بہت خوشحال، زرخیز اور امیر ترین سلطنت تھی۔ اور اس کا دارُالخلافہ بہت خوبصورت تھا۔ مطابقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ سکھر کے نیچے دریا مشرقی نارا سے موہنجو ڈارو کے مشرق میں قریب مغربی نارا سے چند میل کے فاصلہ پر اب پہنچ چکا ہے۔ میری رائے میں مشرقی نارا اور مغربی نارا سکندرِ اعظم کے وقت میں دریائے سندھ کے ڈیلٹا کے دو آخری بازو تھے۔ اور سکھر اور روہڑی، اس وقت کی پٹالہ سلطنت کے آغاز پر اس کی راجدھانی تھے۔ اگر آپ مغربی پاکستان کے نقشہ پر نظر ڈالیں تو اوچ سے لیکر روہڑی تک دریائے سندھ کوہِ سلیمان کی سلامی دار دامن اور کوہِ اراولی کے سلامی دار دامن کے درمیان کی ساٹھ میل چوڑی تنگنائے سے گذرتا ہے۔ کسی دریا کا اس طور کا طویل اور ایک خاص چوڑائی میں محدود راستہ اس خطہ کی دائمی خوشحالی اور زرخیزی کا ضامن بن سکتا ہے۔ اب بھی بہاولپور کی پنجند کینال اوچ کے قریب سے

چناب سے نکل کر اور سندھ کی گھوٹکی کینال چناب اور سندھ کے سنگھم (کوٹ مٹھن) کے نیچے سے نکل کر موجودہ دریائے سندھ کے کنارے سے لے کر قدیم دریائے ہاکڑہ کے خشک راستے تک اوچ سے لیکر تقریباً روہڑی تک پوری چوڑائی کی آبپاشی کر رہی ہیں۔ اور پتن منارہ اس ۲۰۰ میل لمبی زرخیز پٹی کے وسط میں سلطنت میسوسی کینس کے دارالخلافہ ہونے کا صحیح دعویٰ کر رہا ہے۔ صرف یہی دلیل کافی نہیں۔ یہ پٹی پنجاب کے چھ دریاؤں کے آخری سنگھم سے سکندر اعظم کے وقت میں شروع ہوتی تھی۔ پنجاب کے میدان پر نظر ڈالیں تو ہمالیہ کے دامن کے روپڑ سے لے کر مادھوپور۔ رسول۔ کالاباغ۔ درہ ٹنک اور ڈیرہ غازی خان کے ہڑند داجل سے گذرتی ہوئی پہاڑوں کی یہ ۱۸۰ درجہ کی نصف قوس اس خطہ کی مختلف المقدار مواسم کے بالائی پانی کی ضمانت دیتی تھی۔ اور اس طرح اس امکان کی بھی نفی کرتی تھی کہ اس ۲۰۰ میل لمبی پٹی میں سیلاب بیک وقت شدت سے یا خشک سالی بیک وقت حدت سے اس سلطنت کے اقتصادیات کو تباہ کر سکتی تھی۔ یہی موسمی امر اس سلطنت کی زرخیزی خوشحالی اور امارت کا ضامن رہا۔ اور اب بھی ضامن ہے۔

آیئے ہم میسوسی کینس کے نام کی لغوی اصطلاح کو تلاش کریں۔ میسوسی کینس لاطینی زبان میں نباتات کے اس مرطوب آب وہوا والے پودوں کے گروہ کو کہتے ہیں، جن میں کیلا بھی شامل ہے۔ گنا اور دوسرے اسی قسم کے روکھے یا میٹھے پھیکے پودے جو افراطِ آب اور رطوبت ہوا کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور یہی افراط اس ۲۰۰ میل لمبی پٹی میں بموجب تفصیل بالا موجود تھی۔ چچ نامہ

Scanned by CamScanner

کے صفحہ ۱۹ اپر رائے ساہیرس کے اروڑ کے باغات اور سبزہ زاروں کی شادابی
کی تعریف بھی لیسے ہی خطہ کے اندر کسی شہر پر چاند ہو سکتی ہے۔ نہ کہ خشک
پہاڑی پر بنے ہوتے نام نہاد الور کی جو سکھر کے قریب ہے۔ اور میرے یہی
دلائل پوچ کے دارالخلافہ، ہیون سانگ کے نام دیئے ہوئے پی۔شن۔یو۔پولو
پر بھی صحیح آسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ تاریخ سندھ مصنف لیمبرک کی رائے کیچ کا
دارالخلافہ پی۔شن، یو۔پولو، جہاں ہیون سانگ گجرات کاٹھیاواڑ سے ایک
(اس کا بتلایا ہوا) خاص فاصلہ طے کر کے دریائے سندھ کو پار کر کے پہنچا۔
وہ موجودہ الور نہیں تھا۔ بلکہ کوئی اور دریا برد شہر تھا۔ جو کہیں پنوں عاقل
کے قریب ہوگا۔ میری اس رائے کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ پنوں عاقل اور
پٹن منارہ کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہیں۔ اور ہیون سانگ کے طے کردہ
مسافت پنوں عاقل یا پٹن منارہ دونوں پر پوری بیٹھ سکتی ہے۔ سندھ کے انگریز
افسر نے خدا جانے کیوں سندھ کی تاریخ کی تلاش موجودہ سندھ کے اندر تک ہی
محدود رکھی حالانکہ سندھ کی حد (اوباوڑہ) سے صرف ۲۵ میل اندر پٹن منارہ
کے آثار قدیمہ کا ایک کثیر اور وسیع گروہ موجود تھا۔ جو اس کے گردو پیش کے
دریائی راستوں کے مشاہدہ کے بعد میری رائے میں اس کے ہزاروں سال
تک کسی سلطنت کے انتظامی مرکز ہوتے کا بین ثبوت ہیں۔ اب رہا
پوچ کے ۷۰ سال بعد آنے والے محمد بن قاسم عربی کا فتح کردہ الور تو اس کے
متعلق مجھے مزید دلیل کی ضرورت نہیں۔ باقی رہا کشن قوم کے مہاراجہ کنشکا کے زمانہ
کے ٹپالمے کے نقشہ ۱۵۰ء میں دکھائے ہوئے جو شہروں کی شناخت

Scanned by CamScanner

بنیاگارا،کاجی گارا، اور دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر اور پار دالوتھرا دائیں کنارے پر اس ضمن میں دُور ڈیلٹا کے آخر پر سمندر کے کنارے سے کچھ اندر کا شہر بنیا گارا یہ چاروں شہر سکندرِ اعظم کے وقت سے ۵۰۰ سال بعد کے زمانہ میں اسی جغرافیائی پوزیشن میں دکھلائے ہوئے ہیں جو قریب قریب پٹن مُنارہ کے آثار قدیمہ کے گروپ پر صحیح بیٹھتے ہیے۔
اگر آپ مینا گارا کے ساحلی شہر کے نام سے سراغ تلاش کریں تو بڑا دلچسپ رہتا ہے۔ کسی مشرق سے غرب بہنے والے دریا کے ڈیلٹا میں شرقی طرف کے بازو زیادہ دیر تک مستحکم رکھے جا سکتے ہیں جبکہ اس کے غرب کے بازوں کے کسی شہر پر غرب رُدی کے تحت دریان کے ردّ و بدل کی تحریک بڑی شدت سے اثرانداز ہوتی رہتی ہے۔ بنیا گارا اپنی اس جغرافیائی پوزیشن کے لحاظ سے سمندر سے کچھ اندر لائٹ ہاؤس یا روشنی کے مینار کی حیثیت سے بہت عرصہ تک قائم رہا تھا۔ غالباً سکندرِ اعظم کے وقت میں بھی یہی شہر یا اس کے قریب مشرقی طرف کے اندر کا کوئی شہر اندرونِ ملک جہاز رانی کے لئے لائٹ ہاؤس یا روشنی کے مینار کا کام دیتا تھا۔ مینا گارا خود بھی منارا کی قریب ترین صوتی مشابہت رکھتا ہے۔ موجودہ زمانے کے رواج کے مطابق بڑے بادبانی جہاز دور دراز ملکوں سے تجارتی سامان لے کر اسی مینا گارا کے مقام پر پہنچ جاتے تھے۔ اور پھر وہ سامان چھوٹے جہازوں پر لاد کر دریا کے راستے بنیا گارا پہنچتا تھا۔ بنیا گارا کے لغوی معنی تلاش کریں تو انگریزی لفظ بن (بی۔ آئی۔ این) سے مشتق معلوم ہوتا ہے۔ یعنی تجارتی سامان کا ذخیرہ جو اس منڈی سے اندرون ملک مختلف شہروں میں تاجر

لے جاکر پہنچاتے تھے۔ آج بھی اس پٹن منارہ کے قریب ایک آثار قدیمہ "بندور" کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخ سندھ کے مصنف لیمبرک نے تو یہاں تک بھی کہ دیا ہے پٹالے کا بتایا ہوا بنیا گارا کہیں روہڑی کے قریب کے الور کے پاس تھا۔ اور اس کے قریب ہی پٹالے کا دکھلایا ہوا مینا گارا بھی تھا جو اس نے غلطی سے دور سمندر کے کنارے دکھایا تھا۔ اگر میری رائے اختیار کرلی جائے کہ موجودہ پٹن منارہ کے قریب بندور بنیا گارا تھا تو لیمبرک کی رائے کہ مینا گارا بنیا گارا کے کہیں قریب تھا۔ اس پٹن منارے پر صحیح منطبق ہو سکتی ہے اور میری یہ قیاس آرائی کہ مینا گارا دراصل مینار تھا، یعنی ساحل سمندر یا ساحل دریا پر روشنی کا مینار اور یہی پٹن منارے کے نام کی بھی تصدیق کر دیتا ہے۔ اور آج بھی پٹن منارے کے کھنڈرات پر واقع ایک بدھ مت کی خانقاہ کے مینار کو بعض مورخین روشنی کا مینار بھی سمجھتے ہیں۔ سر آرل سٹین کا قول ہے کہ یہ تیسری صدی کی بنی ہوئی بودھ خانقاہ ہے۔ راجہ کنشکا کی دوسری صدی کے درمیان کے نقشہ کی تاریخ (۱۵۰ء) سر آرل سٹین کا اندازہ کوئی حرفِ تورات نہیں سمجھا جا سکتا۔ اب آیئے بنیا گارا کے سراغ کو موجودہ زمانے میں تلاش کریں۔ کیا ہندی زبان کا لفظ بنجارہ اسی شہر کے وجود کا ثبوت نہیں دیتا۔ آج بھی بنجارہ قوم کے افراد سر پر تجارتی سامان لاد کر بستی بستی فروخت کرتے رہتے ہیں۔ غالباً اسی تاریخی تجارتی منڈی کے نام پر ان گشتی تاجروں کو آج تک بھی بنجارہ کہا جاتا ہے۔ اور یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بنیا گارا کے کچھ عرصہ تک دریا کے ہٹ جانے کی وجہ سے ویرانی کی طرف جانے سے اس تجارتی شہر کے باشندے

Scanned by CamScanner

اس شہر کو چھوڑ کر دوسری جگہ پھیل گئے۔ اور اپنے وطن کے نام پر بنجارہ کہلائے جس طرح بعد کے ادوڑ سے ترکِ سکونت کرنے والے اروڑا کہلائے۔

آیئے اب کامیگارا کی طرف، میری رائے میں اس زمانے کی طرزِ حکومت کے مطابق تجارتی شہر اور صنعتی شہر علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے۔ اس وقت بھی مناسب ہوگا، جیسے آج بھی مناسب ہے، میرا قیاس ہے کہ کامیگارا ایک صنعتی شہر تھا۔ اور اسکی نسبت سے ہم تک بھی ایک کم معروف لفظ کمنگر سرائیکی بولنے والے علاقے میں مستعمل ہے۔ جس کے معنی عام طور پر ان معماروں کے لئے جاتے ہیں۔ جو عمارتوں میں نقاشی کا کام کرتے ہیں۔ گارا کا لفظ اگر غور کریں تو ماخذ ہے گرڈھ گرڈھی جیسے لفظوں کا اور اس طرح کامیگارا مزدوروں کا گڑھ تھا یعنی کمی، ہاتھ سے کام کرنے والے صنعتی مزدوروں کا شہر۔ اب لیجیئے دریائے سندھ کے پار کے بنیا گارا کے تقریباً سامنے پار دا بوتھرا کو پاردا لفظی مشابہت کی وجہ سے فرانسیسی لفظ پاردیو بمعنی بخدا انگریزی لفظ پرڈیشن بمعنی خدا کے منکر ہونے کے قریب معلوم ہوتا ہے۔ اس لیئے یہ غالباً یونانیوں کے وقت کی یادگار رہا۔ اور یہ ایک مذہبی مرکز تھا جس طرح اوچ کے آثار قدیمہ کے گروپ میں آرسٹو بوتھرا ایک انتظامی اور سیاسی مرکز تھا۔ غالباً یہی پاردا بوتھرا برہمن گڑھ جس کے برہمنوں نے شاہ میوسی کینس کو سکندرِ اعظم سے صلح وصفائی کے بعد ورغلا کر بغاوت پر آمادہ کرلیا تھا جس کی پاداش میں (دیکھیئے ایرین کی تاریخ سکندرِ اعظم، صفحہ ۲۰۹) سکندرِ اعظم نے ان برہمنوں اور شاہ میوسی کینس کو اس کے دارالخلافہ ہی میں پھانسی چڑھا دیا تھا۔ جس طرح پنجاب کے میدان میں ہڑپہ

Scanned by CamScanner

برہمن گڑھ تھا، اس طرح اس دو سو میل لمبی اور ۶۰ میل چوڑی زرخیز سلطنت کا یہ پاردالوتھرا برہمن گڑھ تھا۔ تیسرا برہمن گڑھ جس کا ذکر بعد میں آئے گا سندھ اور کچھی کے میدان کے وسط میں تھا۔ جس کو اب موہنجو دارو کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کا ذکر پہلے بھی ہڑپہ کے ضمن میں آیا ہے۔

ایک اور نمایاں خصوصیت پٹن منارے کو سکندرِ اعظم سے عطا ہوئی کہ اس نے اس مقام سے گورنر آکسی کینس کے خلاف بڑی مہم اختیار کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی پٹن منارے کے سامنے کوہِ سلیمان کے دامن تک دریائے سندھ کے دائیں کنارے اسی گورنر آکسی کینس کی حکومت تھی، اور غالباً وہ ایرانیوں کے حلیف ہونے کی وجہ سے سکندرِ اعظم کے مفتوح قرار دیئے جاتے تھے۔ اور اس لیے اس پر لازم تھا کہ وہ سکندرِ اعظم کے پیش ہو کر اطاعت قبول کرتا ایسا نہ کرنے کی پاداش میں اس کے خلاف مہم اختیار کی گئی۔ اس گورنر کا علاقہ غالباً۔ روجھان۔ جیکب آباد اور اس کے پرے تک بھاگ ناڑی تک جاتا تھا۔ اور اسی علاقہ میں بنیا گارا اور پاردالوتھرا کے قریب سے ایک شاخ دریائے سندھ سے نکل کر کوہ باتیاں تک جاتی تھی۔ جس کو چچ نامہ نے کوہ پایہ کہا ہے۔ اور یہ وہ پہاڑ ہے جو موجودہ روجھان سے کوہِ سلیمان کی شمال مغربی شاخ کی صورت میں مڑ کر سبی تک جاتا ہے۔ میں بٹالمی کے نقشہ (۱۵۰ء) کا حوالہ دے رہا ہوں۔ اس شاخ کی انتہا ایک دو شاخہ کی صورت میں ہوتی تھی جس مقام کے قریب ایک شہر موزونا واقع تھا۔ چچ نامہ نے ایک ..... شہر روجھان کا ۱۹ صفحہ پر ذکر کیا ہے جہاں

اب مزاری بلوچ قوم آباد ہے۔ اغلب ہے کہ موزدنا اس وقت بھی اس مزاری قوم کا وطن تھا۔ اور آج بھی اس رودھان سے کچھ دُور مغرب میں دریائے سندھ سے ایک قدیم دریائی راستے کے نشانات جیکب آباد کے شمال تک اور پھر مڑکر بھاگ ناری کے علاقہ کے علاقہ میں سے گذرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اور دوسری شاخ میں جا ملتی ہے۔ ان شاخوں کا ذکر اور فصل ۱۵ میں بھی آچکا ہے۔

آکسی ڈرائیکی کی طرح آکسی کینس کا نام بھی قابل غور ہے جس طرح آکسی ڈرائیکی کے قدیم علاقہ داجل کے بیلوں کی نسل آج بھی مشہور ہے۔ اسی طرح آکسی کینس کے علاقہ میں بھاگ ناری بیلوں کی نسل آج بھی مشہور ہے۔ میری غرض اس طویل توضیح سے یہ بھی ہے کہ سکندر اعظم راجہ کنشکا اور رائے ساہیرس کے وقت تک جغرافیائی حالات قریب قریب ایک ہی تکوینی طرز پر تھے۔

آیئے اب پاردابونغرا کو موجودہ آثار قدیمہ کے درمیان تلاش کریں۔ ٹپالمے کا نقشہ سکیل کے لحاظ سے زیادہ معتبر نہیں کہا جا سکتا۔ پٹن منارہ سے پرندے کی اڑان ۲۰ میل دور شمال مغرب میں بھٹہ واہن کا ایک بلند و بالا شہر موجود ہے۔ موجودہ دریائے سندھ کے قرب کی وجہ سے ابتک ایک چھوٹی سی بستی کی صورت میں آباد ہے۔ پٹالمے کے نقشہ میں پٹن منارہ اور پاردابونغرا دریائے سندھ کے آرپار تھے۔ اور دریائے سندھ ایرین کے الفاظ میں بھی اور موجودہ مشاہدہ میں بھی طغیانی کے وقت

۰ میل سے کم چوڑا نہیں ہوتا۔ اس لیے پٹن منارہ سے ۲۰ میل پر بھٹہ واہن پر پاردا ابوتھرا ہونے کا صحیح گمان ہو سکتا ہے۔ مزید برآں بہاول پور گزیٹیئر کے مطابق اس قدیم شہر میں جس کی تاریخ دو ہزار سال سے بھی زیادہ پرانی کہی گئی ہے۔ برہمنوں کی ایک نسل آباد تھی اور وہاں ایک ایسا مقام ہے جہاں اگر کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ معزز ترین انسان بنتا ہے۔ روائیت ہے کہ ابوالفضل اور فیضی بھی اسی شہر میں پیدا ہوئے۔ اور مشہور عشقیہ کہانی سسی پنوں کی سسی بھی یہاں پیدا ہوئی جو مشہور تھانی برہمنوں کے خاندان سے تھی۔ آئین اکبری میں اس شہر کا نام بھورتی واہن کہا گیا ہے جو پوتھرا کے لگ بھگ صوتی مشابہت رکھتا ہے۔ تھانی برہمنوں کی ایک شاخ پشکارناس کہلاتی ہے۔ اغلب ہے کہ بھٹہ واہن ہی پاردا ابوتھر تھا۔ اسی مرکزی چھاؤنی (پٹن منارہ) میں ٹپالر کا بادشاہ سکندر اعظم کو ملنے آیا۔ اور اطاعت قبول کی ایرین نے کہا ہے وہ سندھ کے پورے ڈیلٹا کا بادشاہ تھا۔ اور اس کا یہ ملک دریائے نیل کے ڈیلٹا سے بھی کہیں بڑا تھا۔ اسی ایک قول کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ ٹپالا اس وقت روہڑی اور سکھر کے مقام پر واقع تھا۔ جہاں سے اب بھی قدیم مشرقی نارا۔ اور غربی نالہ ڈیلٹا کے دو تہائی بازوؤں کی صورت میں موجود ہیں۔ اور دریائے سندھ آج تک بھی مشرق سے مغرب روی کے قانون کے تحت غرب تک ابھی غربی نارا کو نہیں پہنچ سکا۔ موہنجو دارو آج غربی نارا اور موجودہ دریائے سندھ کے درمیان کھڑا ہے۔ اگر ہم روہڑی سکھر کو ٹپالا تسلیم کر لیں تو پٹن منارہ کا دور ہونا سمجھ

Scanned by CamScanner

میں آسکتا ہے۔ یہ بھی ایک صحیح قیاس ہے کہ سندھ کے موجودہ دو اضلاع ٹھٹھہ (سندھ کے شرق میں) اور تھرپارکر سکندرِ اعظم کے وقت میں سمندر تھے۔ آج بھی نقشہ کا مطالعہ صاف تبلا رہا ہے کہ ان دو اضلاع میں زمین کی سطح سمندر کی سطح سے اکثر و بیشتر ۵۰ فٹ سے کم ہے۔ آج موجودہ زمانے میں نواب شاہ اور حیدر آباد کے ٹنڈو محمد خان میں کیلا کاشت ہو کر مغربی پاکستان کی ضرورت پوری کر رہا ہے۔ تو جس وقت اضلاع ٹھٹھہ اور تھرپارکر سکندرِ اعظم کے وقت میں سمندر تھے تو سمندر کی مرطوب ہوائیں پچن منارہ تک پہنچ کر کیلے کی کاشت کے لئے موافق مرطوب موسم پیدا کر سکتی تھیں۔ اس لئے یونانیوں نے اس میوہ کی کاشت کی بناء پہ اس علاقہ کا نام میبوسی کینس رکھ دیا۔ عربی میں بھی کیلے کو موز کہتے ہیں۔ جو عربی کے مادر السنہ ہونے کا ثبوت ہے۔ یونانی فوج کے واقعہ نگار ایسی طبع آزمائی کے عادی تھے۔ ٹپالہ کا لفظ خود بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ دریا وہاں پہنچ کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ پاٹ دینا تقسیم کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا قیاس ہے پٹالہ موجودہ حیدر آباد کے سامنے سانگرھ کے ضلع میں تھا۔ اور لعد میں اس جگہ برہمن آباد کا مشہور ایرانی شہر بنا۔ جس کو لعد میں عربوں نے نیا رنگ دے کر منصورہ رکھ دیا۔ آئینِ اکبری نے منصورہ کو روہڑی اور سکھر کے درمیان والے بکھر پر بتایا ہے۔ یہ میرے قیاس کی ایک اور تائیدی دلیل ہے کہ سکندرِ اعظم کے وقت میں ٹپالہ یہیں تھا۔ اور سکھر کے الور کے کھنڈرات برہمن آباد

Scanned by CamScanner

کے کھنڈرات ہیں جو پرانے کھنڈرات سانگرھ کے ضلع میں پٹیالہ برہمن آباد اور منصورہ کے بتائے جاتے ہیں۔ وہ چچ نامہ کے مطابق اروڑ کے تھے جس کو چچ نے سمندر کے قریب میں بنانا شروع کیا تھا۔ اور داہر سینہ نے آکر مکمل کیا (چچ نامہ صفحہ ۱۷) اس جغرافیائی ترتیب مقامات سے محمد بن قاسم کی پیش قدمی کی روئداد بھی سمجھ آسکتی ہے۔ ورنہ چچ نامہ کا یہ کہ محمد بن قاسم اروڑ سے روانہ ہو کر منزل بہ منزل طے کرتا ہوا۔ بیاس کے کنارے آپہنچا قابل فہم نہیں رہتا۔ اگر اروڑ سکھر اور روہڑی کے قریب سمجھ لیا جائے تو بیاس کے کنارے تک ۲۰۰ میل لمبے علاقے میں اس کو کسی مزاحمت کا درپیش نہ آنا دور از فہم ہو جاتا ہے۔ اب بھی اس ۲۰۰ میل لمبی پٹی میں جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔ بے شمار پرانے شہروں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اگر اروڑ پٹن منارے پر سمجھ لیا جائے تو پھر پٹن منارہ کے مضافات سے بیاس تک کسی فوجی رکاوٹ کا درپیش نہ آنا سمجھ میں آسکتا ہے۔

آیئے لگے ہاتھوں تین اور دلائل پٹن منارہ کے میسوسی کینس کا دارالخلافہ ہونے کنشکا کا مینا گارا ہونے، چچ کا پی۔شن۔پو۔پولو ہونے (بمطابق ہیون سانگ) اور داہر کا اروڑ (بمطابق چچ نامہ) ہونے کے پیش کردوں۔

۱۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ سکندرِ اعظم نے پٹن منارہ کی مرکزی چھاؤنی سے گورنر آکسی کینس کے خلاف بڑی مہم جاری کی۔ اس کو موجودہ چیک آباد تک ختم کرنے کے بعد سندیمانا کے بادشاہ سمبوس کے خلاف

جنوب کی طرف حملہ آور ہوا۔ (دیکھیئے تاریخ ایرین صفحہ ۲۰۸) اس کا تفصیلی ذکر نیچے علیحدہ فصل ۵۵ میں آئے گا۔ اس جگہ صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ سکندرِ اعظم کے وقت میں بھی جُغرافیائی تکوینی ترتیب اسی طرح تھی جس طرح آج ہے۔ پنجاب کے اضلاع بہاول پور اور رحیم یار خان سندھ کے اضلاع جیکب آباد۔ سکھر۔ لاڑکانہ۔ دادو اور قلات کا ضلع کچھی کوہِ سلیمان اور کوہِ کیرتھر کے دامنوں میں سیہوان تک دریائے سندھ کے ڈیلٹائی علاقہ کے بالکل باہر تھے۔ یعنی پٹالہ کی شاہی سے باہر تھے۔ بالفاظِ دیگر پٹالہ اس وقت کا صوبہ سندھ تھا۔ اور یہ اضلاع زرخیزی شادابی اور خوشحالی کے لحاظ سے مختلف تھے۔ اور شاہ میوسی کینس، گورنر آکسی کینس اور سندیمانا کے بادشاہ سمبوسس کے زیرِ نگیں تھے۔ طرفہ یہ ہے کہ رائے ساہیرس، چچ اور محمد بن قاسم کے وقت میں یہی اضلاع ان کے صوبہ سیوستان میں شامل تھے۔ طرفہ تر یہ ہے کہ ابوالفضل کے آئینِ اکبری کے صوبہ مُلتان کی سرکار بکھر میں بھی یہی علاقے شامل تھے۔ آج بھی سرائیکی کے مقابلہ میں خالص سندھی زبان کو "وِچولو" کہتے ہیں۔ یعنی وِچ والی یعنی اندر والی جس سے مراد یہ ہے کہ اس قدیم زمانہ کے ڈیلٹائی عُلاقہ کی یہی زبان تھی جو روہڑی سکھر سے شروع ہو کر مغربی نارا اور مشرقی نارا کے درمیان بولی جاتی تھی۔ یہ امر بھی دلچسپ ہے کہ سندھ کے اضلاع جیکب آباد، سکھر، لاڑکانہ، اور دادو، اور قلات کے ضلع کچھی کی زبان سرائیکی ہے جو مُلتان اور بہاول پور کی زبان ہے۔ اگر سندھی وہاں مروج ہے تو وہ انتظامی اختلاط کی وجہ سے ہے۔ ورنہ جیکب آباد

Scanned by CamScanner

لاڑکانہ، دادو اور کچھی کے تمام اصلی باشندے بلوچ اور ہندو (کراڑوں) کی زبان سرائیکی ہے جو ملتان اور بہاولپور کی زبان ہے۔ راقم کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ سارے بلوچستان میں جہاں جہاں بھی ہندو ہوں گے۔ چاہے وہ کچھی ضلع کے لہڑی، ڈھاڈر۔ گندھاوا۔ اور کوٹڑا کے ہوں یا ضلع چاغی کے نوشکی کے ہندو ہوں یا وہ ضلع قلات کے قلات اور خضدار کے ہندو ہوں، سرائیکی بولیں گے۔ اور سندھ میں "وچولو" بولی بولنے والے علاقے میں بھی جہاں جہاں بلوچ ہوں گے وہ سرائیکی بولیں گے۔ چاہے وہ سانگھڑ کے مری بھی کیوں نہ ہوں اس مشاہدہ سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ بلوچ اور ہندو دراصل قدیم وادیٔ سندھ کے اصل باشندوں کے باقی ماندہ ہونے کا اپنی بولی سے ثبوت بہم پہنچاتے ہیں فرانسیسی جغرافیہ دان ڈیوین وی سینٹ مارٹن نے بھی یونانی جغرافیہ دان پلینی کے جمنا اور انڈس کے درمیان اور انڈس کے ساتھ ساتھ کنارے پر رہنے والے ۵۳ قبیلوں کو موجودہ زمانہ کے بلوچ قبیلوں کے ناموں کے مترادف بتلایا ہے۔ گو جرمن جغرافیہ دان وان لیسن نے اس پر اعتراض کیا اور بلوچوں کو بعد میں ماضی قریب میں وادی سندھ میں آیا ہوا بتلایا۔ تاریخ سندھ کے مصنف لیمرک نے جرمن لیسن کو صحیح بتایا ہے۔ مگر میری رائے میں فرانسیسی سینٹ مارٹن کی عمیق نظر صحیح نکتہ پہ پہنچی تھی۔ رگ وید میں بتلائی ہوئی ایک قوم متسوئی آج بھی ملتان اور سندھ کے علاقوں میں مستوئی بلوچ کے نام سے مشہور ہے۔ حالانکہ متسوئی بگڑ کر مستوئی ہوا۔ اور بلوچ کا نام غلط العام رواج کے مطابق ٹانک دیا گیا۔ تاریخ مغربی پاکستان مصنفہ اردو ترقی بورڈ لاہور نے

Scanned by CamScanner

رگ وید کی ایک قوم گورمان کا ذکر کیا ہے۔ آج بھی گورمانی قوم گورمانی بلوچ کے نام
سے مشہور ہے۔ بلوچ کا غلط العام تتمہ لگا دیا ہے۔ اس طرح سے
پنوں قوم کا بھی ذکر ہے۔ اور غالباً سسی پنوں کی کہانی میں سسی کے عاشق
کا نام پنوں دراصل اس کے قبیلہ کا نام ہے۔ جو آج بھی مکران کے علاقے
میں پنوں بلوچ کے نام سے مشہور ہے۔ اور یاد رہے کہ یہ تینوں مثالیں
کوہِ سلیمان کے دامن کے ساتھ ساتھ کی ہیں۔ رگ وید کی بتائی ہوئی دو قومیں
داگہ اور سمو کا بھی کوہِ سلیمان کے دامن میں سندھ کے کنارے ضلع رحیم یار
خان میں آج بھی موجود ہیں۔ مگر کسی وجہ سے ان کے ساتھ بلوچوں کا تتمہ نہیں
لگ سکا۔ پرانی عشقیہ کہانیوں میں بھی عاشق اور معشوق کے نام بھی قبائلی ہوتے
تھے۔ نہ کہ انفرادی۔ جھنگ شورکوٹ کے ہیر رانجھا کی مثال لیجیے دراصل ہیر سے
مراد آہیر قوم کی عورت ہے اور یہ ذکر ایک اور دلچسپ موضوع کا دروازہ
کھول دیتا ہے۔ قرآن کے اصحاب الرس اس وادی میں شورکوٹ سے سبی
تک تھے۔ جیسے اوپر کی ایک فصل میں ذکر آچکا ہے۔ ہندوؤں کی سنسکرت
کتابوں نے اس کو سویرس یا ابھی رس کر دیا ہے۔ جب ان کے باقیاتِ سکندرِ اعظم
کے حملے کے بعد سمٹ سمٹا کر دریائے سندھ کے ڈیلٹا کے اوپر تک پہنچ گئے
تھے۔ تو اس علاقہ کو ابیریا کہا جانے لگا۔ پٹالمے نے اس کو اپنے نقشہ
میں پٹالہ کے علاقہ کے اوپر دکھلایا ہے۔ ۲۰۰ ق م میں لکھی گئی پتنجلی
کی مہابھاشیا نے بھی ابھی رس اور شدرا زراوچ کے کشدرکا) کو ایک دوسرے
کا حلیف بتایا ہے۔ اور مہابھارت نے سندھ سویراس کا ذکر کیا ہے۔ الٰہ آباد

کی لاٹھ پر بھی ابھی رس کا نام کندہ ہے۔

پی۔سی۔ لا نے اپنی کتاب قدیم ہندوستانی قبائل" میں لکھا ہے کہ ابھی رس کی موجودہ زمانہ میں نمائندگی پنجاب کے آہیر کرتے ہیں۔ تاریخ سندھ کے مصنف لیمبرک نے اس پر لکھا ہے کہ کاٹھیاواڑ کے آہیر بھی ابھی رس کی نمائندگی کا حق رکھتے ہیں (تاریخ سندھ مصنف لیمبرک نمبر ۱۱ نوٹ ۱۵) تاریخ میں ایسا ہوتا آیا ہے کہ نام گھٹ یا بڑھ کر بھی پرانا لغوی تعلق قائم رکھتے ہیں۔ سندھ میں ایک قوم آبرو بھی مشہور ہے۔

۲۔ سکندرِ اعظم نے انہی وجوہات کی بنا پر پٹن منارہ ہی سے گورنر آکسی کینس اور سمبوس کے خلاف مہم جاری کی، اور ان مہمات سے فارغ ہونے کے بعد اپنے جنرل کریٹرس کو جس کو وہ پنجاب اور سندھ کے سنگھم ہی سے بائیں کنارے پر ہاتھیوں اور بھاری اسلحہ کے ساتھ پٹن منارے پر لایا تھا سندھ کو عبور کر کے کوہِ سلیمان کے دامن کے ساتھ ساتھ اضلاع رحیم یار خان، جیکب آباد اور کچھی کے راستے درہ بولان سے گزر کر اراکوسیا (موجودہ کوئٹہ) زرنگیا (موجودہ زنجان) کے راستے کرمانیہ (موجودہ کرمان) جانے کی ہدائت کی۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ پٹن منارہ کے نیچے سندھ کا ڈیلٹا شروع ہوتا تھا۔ اور کریٹرس کی واپسی کیلئے مفصلہ بالا راستہ دریائے سندھ کی دائمی حدودِ سیلاب کے باہر تمام سیلابوں سے محفوظ تر تھا۔

اس دوسری دلیل کے ضمن میں یہ بیان کرنا قارئین کے لئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ انگریزی کا مقولہ ہے کہ عظیم شخصیتیں ایک ہی نہج پر سوچتی ہیں۔ اکبر اعظم

Scanned by CamScanner

جیسی عظیم شخصیت کے نورتن سکندرِ اعظم کے ہم خیال ثابت ہوئے۔ جس طرح
سکندرِ اعظم نے کریٹرس کی افواج کی واپسی کے لئے سندھ کے ڈیلٹا کو ترک کرنے
اور اس راستہ کو انتخاب کرنے پر مجبور کیا۔ اسی طرح اکبر اعظم کے جنرل مان سنگھ
چوہان کو کابل اور قندھار کی مہمات پر جانے کے لئے پنجاب کے پانچ دریاؤں
کی گزرگاہوں کو ترک کرنے کے لئے پتن منارہ کے سامنے پنجاب اور سندھ
کے سنگھم کوٹ سنگھم کے نیچے غالباً اسی گزرگاہ کو اختیار کرنا پڑا جو سکندرِ اعظم
کے جنرل کریٹرس نے اختیار کی تھی۔ میری رائے میں یہ ایک افسوسناک امر ہے
کہ ہم اپنی تاریخ اپنی سرزمین کے اندر تلاش کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے
ضلع رحیم یار خان کی تحصیل رحیم یار خان کے اندر ایک مقام "بدلی" کے نام سے مشہور
ہے جو ایک بلند و بالا کھنڈر پر واقع ہے۔ اس کے عین سامنے دریائے
سندھ کے پار ضلع ڈیرہ غازی خان میں ایک دوسرا مقام "بدلی" ہے۔ یہ
موجودہ راجن پور اور روجھان کے درمیان ہے۔ ضلع رحیم یار خان والے بدلی
کے ملحق صحال کا ایک موضع گڑھ مان سنگھ کے نام سے اب بھی موجود ہے
(اگر کسی نودولتیے نے اسی موضع میں زمین خرید کر کے اپنے بیٹے کے نام پر اس
کا نام کسی جاہل راشی افسر کے توسط سے تبدیل نہ کرالیا ہو اور تاریخ کے سراغ
کو مسخ نہ کر دیا ہو، گو زرعی اصلاحات نے یہ امکانات رفع کر کے تاریخ کا تحفظ
کر دیا ہے) گڑھ سرائیکی میں ایک وسیع اصطبل کو کہتے ہیں۔ جہاں سدھے اور
اَن سدھے گھوڑے پرورش اور تربیت پاتے رہتے ہیں۔ جنرل مان سنگھ
جمنا کے دائیں کنارے آگرہ یا دہلی سے روانہ ہو کر دریائے ہاکڑہ کے ساتھ ساتھ

رحیم یار خان کے مقام بدلی میں پہنچ جاتا تھا۔ جہاں وہ اپنی افواج کے تھکے گھوڑے تبدیل کر لیتا تھا۔ اور دریائے سندھ عبور کر کے شمالاً کوہ سلیمان کے ساتھ کابل کی طرف یا غرباً کوہ سلیمان کے ساتھ سبی اور درہ بولان کے راستے قندھار چلا جاتا تھا۔ اور واپسی پر انہیں دو مقامات پر گھوڑوں کی بدلی پھر کر لی جاتی تھی۔ اسی کرُدھ مان سنگھ کے ساتھ دو اور مواضعات ہیں جن کے نام کبیر چوہان اور ٹب چوہان ہیں مُغلوں کے زمانے میں رسم تھی کہ منصب یافتہ جنرل اور دیگر عائدین اپنی قوم یا ان کے اعتمادی آدمیوں سے بادشہ کا سپرد کردہ منصوبہ مکمل کرتے تھے اس ضمن میں غالباً مان سنگھ چوہان نے اپنی قوم کے چوہان راجپوت یہاں آکر بسائے جو گھوڑوں کی نسل کشی، پرورش اور تربیت کرتے تھے۔ اب بھی یہاں چوہان قوم کے کثیر افراد موجود ہیں۔ جو اب مسلمان ہیں۔

۳۔ پچ نامہ نے رائے ساہیرس کے خوبصورت دارالحکومت اروڑ کی تعریف کرتے ہوئے دریائے سیحون یا مہران پر واقع ایک سرسبز اور شاداب علاقہ کہلاہے۔ جیسا کہ اب تک ثابت کیا گیا ہے۔ وہ یہی پتن منارہ تھا۔ آگے چل کر چچ نامہ کہتا ہے کہ رائے ساہیرس نے اپنی حکومت کے چار صوبے وضع کئے تھے۔ جن پر چار حکمران حکومت کرتے تھے۔ ایک جو کشمیر تک حکومت کرتا تھا۔ کا دارالخلافہ ملتان تھا۔ دوسرے کے اسکلندہ اور بھاٹیہ دارالحکومت تھے۔ تیسرے کا جو مکران تک حکومت کرتا تھا۔ سیوستان کا مرکزی شہر اور چوتھے کا برہمن آباد تھا اور آگے چل کر چچ نامہ کہتا ہے کہ " رائے ساہیرس خود دارالحکومت اروڑ میں تخت پر جلوہ افروز رہتا اور کردان، کیکانان اور برہاس

کے علاقے براہِ راست اپنے زیرِ فرمان رکھتا تھا"، قارئین خود اندازہ کریں کہ کشمیر اور مکران کے درمیان یا ملتان اور اسکلندہ کے دو شمالی صوبوں اور سیوستان اور برہمن آباد کے دو جنوبی صوبوں کے درمیان مناسب مقام سلطنت کے وسط میں یہی پتھن منارہ ہی ہو سکتا ہے۔ نثار حسین نے کیکانان سے مراد بلوچستان کے اضلاع ژوب (فورٹ سنڈیمن) اور لورالائی لیے ہیں۔ اور میری رائے میں برہاس سے مراد بروہی قوم جو آج بھی قلات کے پہاڑوں میں آباد ہے اور کردان سے مراد کُرد قوم ہے۔ جو آج بھی قلات کے پہاڑوں میں اسی نام سے کہیں کہیں پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ تولپور کے قریب مشہور راسیلنجی وادی میں۔ ایک اور امر اسی وضاحت میں قابلِ ذکر ہے کہ رائے ساہیرس میدانی و دریائی علاقے تو اپنے حکمرانوں کے سپرد کر دیتا تھا۔ لیکن پہاڑی علاقے کے قبائلیوں کو وہ خود براہِ راست زیرِ نگرانی رکھتا تھا۔ غالباً انگریزوں نے ہماری اس تاریخ سے سبق حاصل کر کے قبائلی امور کو مرکز کے زیرِ نگرانی رکھا۔ جس پر آج تک بھی ہم پاکستان میں قائم ہیں۔

Scanned by CamScanner

۵۵۔ ملتان سے لاڑکانہ تک۔ کیا شاہ سمبوس کا دارالخلافہ سندیمانہ لاڑکانہ کے قریب تھا۔ کیا موہنجو دارو بھی اس کی سلطنت کا برہمن گڑھ تھا؟

خدا جانے حال کے مؤرخین نے جنہیں جنرل کننگھم جیسا مخلص ماہر آثارِ قدیمہ بھی شامل ہے۔ ایرین کے بتلائے ہوئے سندیمانہ کی تلاش میں موجودہ سیہوان پر کیوں انگلی رکھ لی۔ اور اب تک اس پر قائم ہیں۔ آئیے ہم اس کے لغوی ماخذ تلاش کریں۔ یونانی فوجی واقعہ نگاروں نے یہاں بھی زرعی اور صنعتی خصوصیات کو مدِ نظر رکھ کر اس کا نام رکھا۔ یونانی زبان میں سنڈان نرم اور ملائم کپڑے کو کہتے ہیں۔ انہوں نے جب اس علاقہ میں کپاس کی کاشت اور اس سے بنے ہوئے کپڑے کی صنعت کو دیکھا تو اس شہر کا نام سندیمانہ درج کر لیا۔ یاد رہے کہ موہنجو دارو کے کھنڈرات سے کپاس کے ریشہ سے بنے ہوئے کپڑے کے آثار ملے ہیں۔ سیہوان کے جغرافیائی محلِ وقوع کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ نہ تو وہ سکندرِ اعظم کے وقت میں اور نہ موجودہ زمانے میں کپاس کی کاشت اور کپڑے کی صنعت کے لئے موزونیت کا دعویدار ہو سکتا ہے۔ دریائے سندھ اس کے سامنے مشرق

میں ہے اور خشک پہاڑ اس کی پشت پر غرب میں ہے۔ کپاس کی کاشت سیلابی کاشت نہیں جس طرح تِل (کنجد فارسی۔ سیم عربی) کی کاشت۔ جوار کی کاشت وغیرہ وغیرہ جو ایک یا دو سیلابی پانی پر بھی پختہ ہو جاتی ہے۔ راقم نے مکران کے دریائے دشت کے ویران میدان ننگھار میں جہاں وادیٔ سندھ کے آخری تجارتی شہر ست گگن ڈور کے کھنڈرات موجود ہیں۔ بارش سے بنے ہوئے کناؤ کے اندر کپاس کی خودرو کاشت دیکھی ہے۔ جو صاف میدان میں کہیں بھی موجود نہ تھی وجہ دراصل یہ تھی کہ کناؤ کے اندر تھوڑی یا بہت بارش کے بعد اس پودے کو پانچ یا چھ ماہ تک وقتاً فوقتاً چار پانچ بار تراوت مل سکتی تھی۔ جو اوپر کی سطح پر نہ مل سکتی تھی۔ مزید براں ایک سلطنت کے دارالخلافہ کے لئے اس کے گرد و پیش زرعی اور صنعتی پیداوار کا وسیع عریض علاقہ کا ہونا ضروری ہے۔ جو موجودہ سہران کو کبھی بھی مہیا نہیں ہوا۔ سکندر اعظم کے وقت میں دریائے سندھ بہت دور شرق میں ہوگا۔ اور مٹھن منارے کے قریب سے نکلنے والی دریائے سندھ کی شاخیں ضلع جیکب آباد اور لاڑکانہ تک ہی پہنچ سکتی تھیں۔ جنہیں کوہستان کوئٹہ اور کوہستان قلات کے ندی نالے اور دریا لہری۔ تلی۔ ناری۔ بولان اور مولا ۱۸۰ درجہ کی نصف کوس کے مختلف الموسم بارانی مقدار کے علاقوں سے دریائے سندھ کی ان شاخوں کے لائے ہوئے پانی میں اضافہ کرتے رہے ہوں گے۔ اور اس طرح لاڑکانہ کے وسیع و عریض میدان میں کپاس کی ششماہی فصل کے لئے وقفہ وقفہ کے بعد سیرابی کا ذریعہ پیدا کرتے ہوں گے۔ یہ جغرافیائی امر بھی زیر نظر رہے کہ دریائے مولا

کے بہاؤ کا رُخ آج بھی لاڑکانہ کی طرف ہے۔ اگر کیرتھر اور چاول کینال ایک طرف بائیں طرف آبپاشی کرنے والی نہریں درمیان میں نہ ہوتیں تو اب بھی پانی لاڑکانہ میں پہنچ جاتا۔ آج بھی ایک منصوبہ زیرِ غور ہے کہ دریائے مولا سے لاڑکانہ تک ایک سڑک قدیم راستہ کی یادگار میں بنائی جائے جو موہنجو دارو اور لاڑکانہ کے قریب سے ہو کر درہ مولا کے راستے خضدار تک جاتا تھا۔ کیرتھر کینال اور چاول کینال اور ان کے تحفظ کیلئے سیلابی بند ات نے کچھی کے پانچ دریاؤں کے سیلاب کا رُخ اب کوہ کیرتھر کے ساتھ ساتھ جھیل منچھر تک موڑ دیا ہے۔

آئیے ہم لاڑکانہ کے تہذیبی مرکز کا سراغ ہیون سانگ کے سفرنامہ سے تلاش کریں۔ سکندر اعظم کے فوجی واقعہ نگاروں کی طرح ہیون سانگ بھی مختلف علاقوں اور مختلف شہروں کو اپنی چینی زبان میں ان کی خصوصیات پر مبنی نام رکھ دیتا تھا۔ اگر آپ تاریخ سندھ مصنفہ لیمبرک کے صفحہ ۱۷۰ کے سامنے کا دیا ہوا نقشہ دیکھیں تو لاڑکانہ کے گرد و پیش کے علاقہ کو اس نے "آفان - تو" کا نام دیا ہے۔ اگر آپ چینی لغت کو دیکھیں تو 'آفان - تو' کے معنی سیلاب کی کثرت کی گذرگاہ کے نکلتے ہیں ظاہر ہوا کہ وہاں سیرابی کیلئے پورے چھ ماہ پانی کی کثرت رہتی تھی۔ جو صورتِ حال کپاس کی کاشت کے لئے موزوں رہتی ہو گی۔ آئیے اب ہم یونانی مورخ ایرین کی تاریخ کی طرف لوٹتے ہیں۔ صفحہ ۲۰۸ پر ایرین کہتا ہے کہ گورنر آکیسی کینیس کے خلاف مہم سے فراغت کے بعد سکندر اعظم نے کنگ سمبوکس کے علاقہ کا رُخ کیا۔ جس کا دارالخلافہ سندیمانہ تھا۔ اسی کنگ سمبوکس کو سکندر اعظم نے بقول ایرین ہندوستانی قبائل کا بادشاہ بنایا

Scanned by CamScanner

تھا۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق دریاؤں کے مخارج آب سے جو لیشت کوہ پہ ہوتے تھے لے کر دامن کوہ کی سلایبوں کے آخر تک ایک ہی قوم یا ایک ہی حکمران کی ایک مکمل راجدھانی ہوتی تھی۔ ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ شاہ ہمبوس کی راجدھانی لاڑکانہ سے لے کر مولا۔ بولان۔ ناڑی تلی اور گہری کے مخارج آب تک زیارت کی ہر بوٹی پہاڑیوں تک تھی۔ آیئے میرے اس گمان کی ایرین کے قول سے تصدیق کریں۔ سکندر اعظم نے کنگ ہمبوس کو کب پہاڑی قبائل کا بادشہ بنایا۔ ایرین کی تاریخ کے صفحہ ۱۲۱ کے پیرا ۲ میں حسب ذیل عبارت درج ہے۔

• سپاس (دیزاز) کا پیچھا کرتے ہوئے باختریہ جانے سے پہلے سکندر اعظم زرنگیا (موجودہ زرنجان) گڈروسیا (موجودہ مکران) اور آرا کوسیا۔ (موجودہ کوئٹہ بلوچستان) کے علاقوں کو اپنے زیر نگین لایا۔ کوئٹہ بلوچستان کے ایک باشندہ مینن کو آراکوسیا کا گورنر بنایا۔ دراصل اس مہم میں وہ بلند برفانی پہاڑوں کو گذر کر دوسری طرف کے ہمسایہ ہندوستانی قبائل تک جا پہنچا۔ ان برفانی پہاڑوں کو گذرنے کے دوران اس کی افواج کو بڑی دقت کا سامنا ہوا اور اس کی رسد ختم ہو گئی۔

اس تحریر سے عیاں ہوتا ہے کہ سکندر اعظم کوئٹہ سے زیارت کی برفانی پہاڑیوں کو گذر کر دوسری طرف موجودہ ضلع کچھی کے اندر داخل ہوا۔ اور غالباً اسی دوران اس کی شاہ ہمبوس سے ملاقات ہوئی۔ اس نے رسد مہیا کی کیونکہ یہ علاقہ پیداواری لحاظ سے خوش حال تھا۔ اس امداد

Scanned by CamScanner

امداد کے لئے اس تے شاہ سمبوس کو پورے پہاڑی علاقہ کے قبائل کا بادشاہ بنا دیا۔ آج بھی کوئٹہ قلات کے قلت زدہ علاقوں کے باشندے دل کو سردیوں میں ضلع کچھی اور نصیر آباد سب ڈویژنوں میں پناہ ملتی ہے جہاں وہ رہ کر اپنی سردیوں کی غذا کے لئے گیہوں اور تیل کی اجناس کی کاشت کرتے ہیں اور گرمیوں میں پھر پہاڑیوں پر چلے جاتے ہیں۔ سکندر اعظم کے وقت میں میری رائے میں لاڑکانہ اور موہنجو دارو تک ایک پورا مکمل انتظامی اور اقتصادی نظام تھا۔ جس کا شاہ سمبوس حکمران تھا۔ سندیمانا کہاں تھا۔ اس کی تلاش لاڑکانہ کے گرد و پیش کے آثار قدیمہ سے کرنی پڑیگی لاڑکانہ سے چند میل دور جنکر جو دڑو لاڑکانہ کی طرح پرانے دریائی راستے گھارو پر واقع ہے۔ اغلب ترین مقام بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ گھار چینل یقیناً سندھ کی وہ شاخ ہے جو روہڑی سکھر کے ڈیلٹائی آغاز کے اوپر سکندر اعظم کے وقت میں بھی نکل کر کیرتھر کے پہاڑوں کی طرف آتی تھی غربی نارا اس کے جنوب کی طرف غربی ترین ڈیلٹائی بازو تھا۔ اور شرقی نارا، مشرقی ترین بازو تھا۔ گڑھی خیرو کے قریب ملے جو دڑو ضلع جیکب آباد کی حدود میں اسی گھارو پر اور دھمراڑ بھی دعویدار ہو سکتے ہیں۔ مگر گمان غالب جنکر جو دڑو پر ہے۔ موہنجو دارو تو شاہ سموس کی سلطنت کا برہمن گڑھ تھا۔ ایرین کی تاریخ صفحہ ۲۰۸ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ جب سکندر اعظم شاہ سمبوس کے دارالخلافہ سندیمانا کے قریب پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ شاہ سموس بھاگ کر روپوش ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس کو سکندر اعظم نے ہندوستانی پہاڑی

Scanned by CamScanner

قبائل کا بادشاہ بنایا تھا۔ جب وہ کوئٹہ سے زیارت کی برفانی پہاڑیوں کو گذر کر کچھی کے میدان میں آ گیا جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے۔ شاہ سمبوس کے رشتہ داروں نے سندیانہ کے دروازے کھول دیئے اور خزانہ کی کنجیاں اور ہاتھی ساتھ ملا کر پیش ہوئے اور معذرت کی کہ شاہ سمبوس مخالفت کی وجہ سے نہیں بلکہ خوف کی وجہ سے روپوش ہو گیا ہے چونکہ شاہ میوسی کینس کے ساتھ اس کی دشمنی تھی اور اس کے دشمن کے ساتھ سکندرِ اعظم کی نوازشات نے اس کو بدگمان کر دیا تھا۔

اس کہانی میں ایک دلچسپ موضوع نکلتا ہے کہ اس قدیم زمانہ کے بادشاہ ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی کرتے تھے۔ جس طرح آج کل کے بادشاہ کرتے ہیں۔ جہلم پار پنجاب کے دوآبوں میں پورس شاہ گجرات اور پورس ثانی شاہ سیالکوٹ کا بھی یہی حال تھا۔ جب سکندر اعظم کی پورس اول سے صلح ہوئی تو پورس ثانی خوف سے بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ امر شہادت دیتا ہے کہ سکندر اعظم کے وقت میں بھی بادشاہی نظام دیمک خوردہ تھا۔ جتنا آج کل ہے۔ ایک بادشاہ شکست کھا جاتا تھا تو دوسرا خوف سے بھاگ جاتا تھا۔ لیکن سنگالا، ملی اور آکسی ڈرائیکی کے خودمختیار جمہوری نظام رکھنے والے قبائل نے سکندر اعظم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بلکہ ملی قوم کے علاقہ میں، سکندر اعظم زخمی بھی ہوا۔ شاہ سمبوس کے علاقے ہی میں جو تقریباً اس کا حلیف ملک تھا۔ ایک شہر کے برہمنوں نے بغاوت کر دی۔ اور سکندر اعظم نے بزورِ شمشیر ان کی سرکوبی کی۔ قیاس غالب ہے کہ یہی موہنجو دارو کا

برہمن گرہتھا (دیکھیئے ایرین کی تاریخ کا صفحہ ۲۰۹) ایرین نے اس مقام پر ایک معنی خیز وعدہ کیا ہے۔ کہ وہ برہمنوں کے فلسفۂ حیات کے متعلق ایک علیحدہ کتاب میں ذکر کرے گا۔ اور ساتھ ہی دوسرے پیرے میں وہ ذکر کرتا ہے کہ اسے اس مقام پر ہی اطلاع ملی کہ شاہ میوسی کینس نے بغاوت کر دی ہے۔ سکندر اعظم نے فوراً جنرل پیتھو FEITHO جو میوسی کینس کے علاقے کا فوجی گورنر تھا۔ حکم دیا کہ وہ فوراً شاہ میوسی کینس کی سرکوبی کے لئے پہنچے اور وہ خود میوسی کینس کے علاقے کے شہروں کو زیر کرتا ہوا اور تباہ کرتا ہوا اور ان کے شہریوں کو غلام بنا کر فروخت کرتا ہوا شاہ میوسی کینس کے دارالخلافہ پٹن منارہ میں واپس آ پہنچا جو اس کا فوجی مرکز تھا شاہ میوسی کینس گرفتار ہو چکا تھا۔ اس کو اکسانے والے برہمن بھی گرفتار ہو چکے تھے اس نے بادشاہ اور ان برہمنوں کو دارالخلافہ ہی میں پھانسی پر لٹکا دیا۔ یہ امر شہادت دیتا ہے کہ چاہے خود مختار ملی قبائل تھے یا بادشاہ برہمنوں کا ان کے ذہنوں پر غلبہ رہتا تھا۔ ہڑپہ۔ پٹن منارہ اور موہنجو دارو کے بلند و بالا کھنڈرات شاہد ہیں کہ یہ تینوں مقامات دریائے سندھ کی بالائی وادی پنجاب اور درمیانی ۲۰۰ میل لمبی پٹی اور دریائے سندھ کی زیریں وادی کچھی سندھ کے مذہبی مراکز تھے جو صدیوں سے قائم تھے۔

یہاں برہمنی فلسفہ کے تحت برہمن پورے علاقہ کے ذہنوں پر سوار رہتے تھے اور کسی دوسرے فلسفہ کو نہ پنپنے دیتے تھے۔ چاہے وہ بدھ مت کا فلسفہ ہو جو سکندر اعظم کی آمد سے تین صدی پہلے آ چکا تھا۔ مگر ابھی برہمنوں نے دبا رکھا تھا سکندر اعظم کے خلاف بھی یہی مقصد کار فرما تھا۔ اس کا بین ثبوت اس بات سے

ملتا ہے۔ کہ جونہی سکندر اعظم کی واپسی کے پچاس سال بعد شہنشاہ اشوک جو موریا گپتا کا بیٹا تھا برسر اقتدار آیا اور بدھ مت کو اختیار کر لیا۔ اس نے ہڑپہ اور موہنجو دارو کے تباہ کردہ برہمن گڑھوں پر اپنے سٹوپا بنوا دیئے۔ اور پتن منارہ میں جس شہر کو سکندر اعظم نے خوبصورت ہونے کی وجہ سے تباہ نہیں کیا تھا۔ اشوک نے بدھ مت کا مرکز قائم کر دیا۔ جس کی نشانی آج بھی پتن منارہ کے کھنڈرات پر ایک پختہ بدھ خانقاہ کی صورت میں کھڑی ہے۔

موہنجو دارو کا سٹوپا تو اب بھی برہمنوں کے کفر کی شکست کی نشانی کے طور پر کھڑا ہے۔ مگر ہڑپہ کا سٹوپا بقول کنگ مصنف قدیم ہندوستان مسمار ہو کر ہڑپہ اور میر داد معافی کے ریلوے اسٹیشنوں کے درمیان کی ریل کی پٹڑی پر کنکر کی صورت میں بچھا ہوا ہے۔ جیسا کہ اوپر ایک فصل میں ذکر آ چکا ہے ہڑپہ اور موہنجو دارو کے غسلخانے اور ان سے نکلنے والی پختہ نالیاں برہمنوں کے اشنان خانے تھے۔ نہ کہ مہذب اور متمدن شہریوں کے غسلخانے۔ ان دونوں شہروں میں نہ تو پختہ کوچے تھے اور نہ یہ ثابت ہوا ہے کہ وہاں کے شہری جوتے پہنتے تھے۔ موہنجو دارو کی چار منزلیں اس کے تقدس اور قدامت کی شاہد ہیں۔ کہ جہاں دوسرے شہر سیلاب یا سیم زدگی کے بعد چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور کسی دوسری جگہ از سر نو بنائے جاتے تھے۔ ان مقدس مقامات کے محل وقوع کو متبرک سمجھ کر قائم رکھا جاتا تھا۔ تاکہ پوری قوم کی نظروں میں اس کی مرکزی حیثیت صدیوں تک قائم رہے۔

Scanned by CamScanner

۵۶۔ سکندرِ اعظم کی شاہ پٹالہ کی راجدھانی میں آمد

آئیے اب ہم سلطنت پٹالہ کے جغرافیائی محلِ وقوع اور حدود کی وضاحت کرکے سکندر اعظم کے وقت میں وادیٔ سندھ کے پورے نقشہ کو واضح اور مکمل کر دیں۔ انگریز ماہرینِ آثارِ قدیمہ اور جنرل کننگھم اور میجر راورٹی جیسے جغرافیہ دان مؤرخین نے بڑی مستحسن کوشش کی ہے کہ پٹالہ کا صحیح محلِ وقوع قائم کیا جائے مصر اور عراق جیسے دریاؤں کی مٹی سے بنے ہوئے ڈیلٹائی ممالک سے وادیٔ سندھ کی جغرافیائی تاریخ کچھ مختلف نہیں۔ یہ تو یقین سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ آغاز میں دریائے دجلہ اور فرات بغداد کے اوپر علیحدہ علیحدہ پہاڑی سطح سے براہ راست سمندر میں آپڑتے تھے اور خلیج فارس ان قدیم دس ہزار سال پرانے ایام میں وہاں تک پہنچتی تھی۔ آہستہ آہستہ ان دریاؤں کی مٹی سے بھرتی گئی اور ایک وقت آیا کہ حضرت ابراہیمؑ کا وطن کلدانیوں کا شہر اُر کنارِ سمندر کے قریب تھا۔ اور اب تو عراق کی حدود بصرہ سے بھی بہت نیچے کویت کے قریب تک آ گئی ہیں۔ یہی حالت مصر کی تھی۔ دریائے نیل پر اب جس مقام اسوان پر بندھ باندھا گیا ہے۔ جس کے اوپر نیل کا پانی روک کر بجلی پیدا کرنے اور آبپاشی کرنے کیلئے استعمال ہوگا۔ ایام قدیم ترین میں ایک سمندر کی خلیج یا کھاڑی کے جنوبی اختتام پر تھا۔ اور دریائے نیل اس میں انفادِ آب (ڈال) بنا کر گرتا تھا اب الیگزینڈریہ تک دریائے نیل نے خلیج کو بھر کر بحیرہ روم کو پیچھے دھکیل دیا ہے۔ یہی حالت وادیٔ سندھ میں ہو گی۔

Scanned by CamScanner

سکندرِ اعظم کی آمد سے اب تک ڈھائی ہزار سال تقریباً گذر چکے ہیں یہ عرصہ کوئی تھوڑا عرصہ نہیں جیسے کہ پچھلی فصل ۴۵ میں کہا جا چکا ہے کہ دریائے سندھ کے شرق والے ضلع ٹھٹھہ اور تھرپارکر کے اضلاع کی سطح زمین سمندر سے پچاس فٹ کے اندر اندر ہے۔ سمندر سے نیچے ہوں گے یا مدوجزر کے حملہ کا شکار ہوتے ہوں گے۔ اگر یہ گمان صحیح مان لیا جائے تو وہ پٹالہ جس کی نشاندہی اب سانگھڑ ضلع میں کی جاتی ہے اور جو تقریباً موجودہ حیدرآباد کے سامنے ہے یونانی مؤرخ ایرین کے قول سے مطابقت نہیں رکھتا کہ پٹالہ سے شروع ہونے والا ڈیلٹا دریائے نیل کے ڈیلٹا سے بھی بہت بڑا تھا۔ ایک مقام پر تو ایرین نے (صفحہ ۲۱۲) صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ ڈیلٹا کے شرقی بازو اور غربی بازو کے درمیان ۲۲۵ میل کا فاصلہ تھا۔ جو تقریباً موجودہ دریائے سندھ اور شرقی نارا کے درمیان ہے۔ اگر پٹالہ کو سانگھڑ میں سمجھ لیا جائے تو ڈیلٹا کی تکون کا عمود ۱۰۰ میل سے بھی کم ہوگا۔ ڈیلٹا کو کم از کم مساوی الاضلاع ہونا چاہیئے۔ جو امر پٹالہ کو روہڑی اور سکھر کے مقامات پر ہونے کی بیّن دلیل پیش کرتا ہے۔ اور اب بھی سکھر سے نکلنے والی شرقی نارا کینال اور روہڑی کینال میری رائے میں اس قدیم ڈیلٹا کو محیط کرتی ہیں اور اسی میں ہی آبپاشی تا حدِ امکان کر سکتی ہیں۔ کوٹڑی بیراج سے نکلی ہوئی نہروں کے ذریعے آبپاشی کی کوشش ٹھٹھہ اور تھرپارکر کے

Scanned by CamScanner

ضلعوں میں اسی وجہ سے ناکامیاب ہوئی کہ اس علاقے کی سطح زمین کی سلامی زیرِ زمین چلنے والے سیم کے پانی کا سمندر تک اخراج نہیں کر سکتی مقدمہ بالا جغرافیائی دلیل کے علاوہ ایک اور دلیل قوی تر ہے۔ کہ مقام پٹالہ پر سکندرِ اعظم نے پختہ گودیاں اور قلعہ بنوایا جو اغلباً بھکر کے موجودہ قلعہ اور سکھر کی مستحکم دریائی بندرگاہ کے پیش رو تھے۔ اس امر سے کوئی جغرافیہ دان اور مؤرخ انکار نہیں کر سکتا کہ دریا سکھر اور روہڑی کے درمیانی اور گردو پیش کی پہاڑیوں میں ہزار ہا سال سے مستحکم رہا ہے۔ غربی نارا اور شرقی نارا انہیں پہاڑیوں کے ارد گرد بہتے رہے اور اب بھی سکھر بیراج کی دائیں اور بائیں طرف سے نکلنے والی نہریں شرقی نارا اور غربی نارا کو استعمال کر رہی ہیں۔ اور گھارو شاخ جو پٹالے کے نقشہ کے مطابق آغاز ڈیلٹا کے پٹالہ سے کہیں اوپر پٹن منارہ کے محاذ سے نکل کر لاڑکانہ اور کوہ کیرتھر کی طرف بہہ جاتی تھی وہ بھی انہی نہروں میں منتقل کر لی گئی ہے۔ یہاں ایک دلچسپ اشارہ جملہ معترضہ کے طور پر عرض ہے کہ جہاں سندھ کے غربی اور شرقی نارا کا ذکر آتا ہے۔ کوئٹہ کے پہاڑوں سے نکلنے والے دریائے ناری کا مونث نام بھی قابلِ ذکر ہے غالباً ناری اور نارا کا سراغ قدیم علم الاصنام میں چلا جاتا ہو گا۔ یہی قصہ موجودہ ڈیراور (ضلع بہاولپور) کے قریب سننے میں آتا ہے۔ قلعہ ڈیراور کے قریب ایک بہت بڑا پانچ ہزار سال پرانا کھنڈر (بقول سر آرل سٹین) پڑا ہے معمر آدمیوں سے اس کی روائت دریافت کی گئی تو انہوں نے بتلایا کہ اس

دیرانہ کا نام "جاندا کھاندا" (تحج نامہ کا جنکن) ہے۔ اور دریائے ہاکڑہ جو اس کے قریب بہتا تھا۔ اس کے تین کو تین دھارا دھاری کہتے تھے۔ جیسے کہ میں اوپر کی ایک فصل میں عرض کر چکا ہوں۔ ڈیراوڑ ازمنہ قدیم میں پانچ ہزار سال سے بھی پہلے دریائے سندھ اور دریائے چناب کے سنگھم پر تھا۔ یعنی وہ اس زمانے کا کوٹ مٹھن سنگھم تھا جو اب اس مقام سے ۸۰ میل غرب میں قانونِ غرب روی کے تحت چلا گیا ہے۔ اغلباً دریائے سندھ نارا کی طرح مذکر دھارا اور کوہ ہمالیہ کے دامن سے نکلنے والے پانچ دریاؤں ستلج، بیاس، راوی، چناب اور جہلم کے اجتماع کے دریائے پنجند کو جو آخری بار مروٹ کے مقام پر ستلج کو ساتھ لے کر ڈیراوڑ تک چناب بن کر جاتا تھا۔ مؤنث دھاری کہتے ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ اس کی اور شہادت بھی موجود ہے۔ کہ مہا بھارت میں دروپدی دریائے سندھ کو سائیں دھارا کہکر پکارتی ہے۔ اس کا ذکر اوپر بھی کسی فصل میں آچکا ہے۔

پٹالہ کے روہڑی سکھر پر سکندر اعظم کے وقت میں ہونے کی ایک اور دلیل بھی دی جا سکتی ہے۔ پٹالہ سے غربی بازو کی سیاحت کے دوران سکندر اعظم کو راستے میں کئی بڑے اور چھوٹے جزیروں سے واسطہ پڑا۔ موجودہ حیدرآباد، ٹھٹھہ، ایک آخر میں ایک چھوٹے جزیرہ آبن شاہ پر جو اب اندرون ساحل ہے۔ یہ پوری تفصیلی مطابقت کھا جاتی ہے خاص طور پر یہ ذکر سکندر اعظم کے کشتیوں کے بیڑے نے ایک جزیرہ کے قرب

میں ہوا سے پناہ لی تو سمندر میں مد و جزر کے غلبہ سے ان کی کشتیاں
کم گہرائی کے سمندر میں چھپی ہوئی پہاڑی چٹانوں پر لڑھک کر ٹوٹ گئیں
یہ امر میری اس دلیل کی تائید ہے۔ کہ اس زمانے میں حیدرآباد ٹھٹھہ کے
سامنے تک ایک کم گہرا سمندر آجاتا تھا۔ جو مد و جزر کے اثر سے پانی ہٹنے
تک کے بعد پہاڑی سطح ظاہر کر دیتا تھا۔ کیلوٹہ کے جزیرے کا نام میری
رائے میں موجودہ ٹھٹھہ کی جزیرہ نما شکل میں نکلی ہوئی سطح مرتفع پر پورا
عائد ہوتا ہے۔ جو اس زمانے میں جھم پیر کی طرف کوہستان سے علیحدہ
جزیرہ کی طرح تھا۔ شرقی نارا کی سیاحی مہم کا ذکر بھی بڑا دلچسپ ہے
اس بازو میں جزیروں کی بجائے ایک جھیل راستے میں پڑی جو دہانہ کی
شکل کی طرح چوڑی تھی ایرین نے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے
کہ شاید اس جگہ دائیں یا بائیں طرف سے کوئی معاون ڈیلٹائی بازو یا
یا کوئی چھوٹا بڑا دریا آپڑتا تھا۔ یاد رہے کہ اسی طرح جیسلمیر کی ریاست
میں ۱۲۰۰ تا ۱۷۰۰ کی بلندی کی بقیۃ المدفون پہاڑیاں کھڑی ہیں دریائے
لونی جو کوہ اراولی سے نکل کر اب رن آف کچھ میں آپڑتا ہے۔ وہ ان دونوں
جیسلمیر کی پہاڑیوں تک شرقاً غرباً سمت میں آکر جنوب کی طرف رُخ کر
لیتا ہے۔ حال میں طبع شدہ کتاب "گراؤنڈ واٹر" مصنفہ مسٹر ہیوارنیس بعد
تحقیق بتایا گیا ہے کہ ضلع تھرپارکر کا نگر پارکر پہاڑ ماضی قریب میں دریائے
لونی کے جنوب میں دریائے لونی کے جنوب میں تھا اور اس پر واقع

ایک قدیم بندرگاہ اب اندرون ساحل ویرانہ کی صورت میں پڑی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ دریائے لونی کسی زمانے میں جیسلمیر کی ان پہاڑیوں کے گرد و پیش میں بہہ کر سیدھا تھر پارکر ضلع کی شمالی ترین حدود پر شرقی نارا میں آ پڑتا تھا۔ اور وہاں تحصیل بنا دیتا تھا اور سکندر اعظم نے اس لئے وہاں حسب عادت اور حسب معمول اسی دریائے لونی کے سنگھم کا تنبہ کرتے ہوئے پختہ گودیاں بنوانے کا حکم دیا تھا۔ جس طرح اس نے پٹالہ پر اور ستلج کے سندھ سے سنگھم پر اور چناب کے سندھ سے سنگھم پر تین بار پہلے بنوائی تھیں وہ ان فوجی مواصلاتی جنکشنوں کو بڑی اہمیت دیتا تھا۔

ایک اور دلچسپ دلیل پیش ہے جب سکندر اعظم شاہ پٹالہ کی راجدھانی میں پہنچنے والا تھا۔ اس کو معلوم ہوا کہ میوسی کینس کے دارالخلافہ (دہن منارہ) پر آ کر اطاعت کر جانے والا شاہ پٹالہ اپنی راجدھانی سے معہ رعایا کے مفرور ہو گیا ہے اس نے اپنی رفتار دوگنی کر دی۔ اور پٹالہ پہنچ کر مفروروں کی گرفتاریوں کا حکم دے دیا کہ وہ لوگ واپس آ کر ایستادہ فصلوں کی نگرانی کریں۔ اسی ضمن میں ایرین نے ایک معنی خیز ذکر کیا ہے۔ کہ پانی کی کمی کو دیکھ کر سکندر اعظم نے چاہات کی کھدائی کا حکم دیا۔ مگر بھاگ کر جانے والے روپوش لوگوں نے چاہات کھودنے والی افواج کی مزاحمت کی۔ اور انہوں نے کئی آدمی مار دیئے۔ یہ کیوں ہوا کیا وہ لوگ کنوؤں کے کھودے جانے کے مخالف تھے جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے کہ وادئ سندھ کے مہذب اصحاب آریہ کنوؤں کا پانی استعمال نہیں کرتے

Scanned by CamScanner

تھے۔ سوائے اس کے برہمن اس کے ساتھ اشنان (مذہبی غسل) کریں۔
پٹالہ کا ذکر چھوڑنے سے پہلے میں کلکتہ ریویو جولائی ۱۸۷۴ء میں انڈین سول سروس کے مسٹر ولیم ہیلی کے مضمون "تبت" کے چند حوالوں کا ذکر کرتا ہوں۔ میں صفحہ ۱۴۰ کے حاشیہ نوٹ ۱۸ کا پورا ترجمہ پیش کرتا ہوں تبت کے شہر لاسہ کا ذکر کرتے ہوئے مُصنف نے لاسہ میں دلائی لامہ کے محل پوٹالہ کا ذکر کیا ہے۔ بدھ مت والوں کا عقیدہ ہے کہ دلائی لامہ، گوتم بدھ کا اوتار ہے۔ لاسہ کا محل روم کے پوپ کے ویٹیکن محل کی سی عظمت رکھتا ہے یہ محل ایک زینہ کی طرح چڑھتی ہوئی تین پہاڑیوں پر تین علیحدہ علیحدہ منزلوں میں بنایا گیا ہے۔ جو ایک دوسرے کے ساتھ سیڑھیوں سے ملی ہوئی ہیں۔ اس محل کو پوٹالہ کا نام دیا جاتا ہے اور اس پہاڑی کو بھی پوٹالہ کا نام دیا گیا ہے اس پوٹالہ کے نام کا ماخذ کی تلاش کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر ہیلی نے کہا ہے کہ ایک مُصنف ح نے اس کو بودھالہ کہا ہے۔ یعنی بودھا کا پہاڑ۔ مسٹر ہیلی نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ یہ صحیح نہیں "لا" کے معنی پہاڑی درّہ کے ہیں۔ نہ کہ پہاڑ کے۔
مزید تشریح کرتے ہوئے مسٹر ہیلی کہتے ہیں کہ ایک دوسرے مُصنف سوما نے اپنی کتاب "تبتی گرامر" صفحہ ۱۹۸ پر صحیح کہا ہے۔ کہ پوٹالہ کا نام سندھ کے قدیم پوٹالہ کی یادگار ہے۔ جہاں گوتم بدھ کے قبیلہ ساکیا کے افراد نے ہجرت کی۔ بدھ مت کے لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ پوٹالہ کا مقدس ہمالیائی سہ منزلہ پوٹالہ ایک آسمانی یروشلم کا درجہ رکھتا ہے

Scanned by CamScanner

جو مغربی سمندر میں ایک پہاڑ پر محل کی صورت میں واقع تھا۔ جس میں گوتم بدھ کے اوتار آسمان سے زمین کی طرف آتے ہوئے وہاں استراحت و آرام فرماتے تھے۔ اور ان کا اعتقاد ہے کہ تیسرا یا چوتھا پوٹالہ بحیرۂ چین کے کنارے ننگپو کوپن پر واقع تھا (دریائے زرد کے دہانے پر)۔

اوپر کے اس اقتباس میں بدھ مت والوں کے اعتقاد میں ایک شبہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آیا اس دنیا میں تین پوٹالہ تھے۔ یا چار۔ پوٹالہ کی تین منزلہ عمارت قارئین کو غالباً یاد دلائے گی۔ کہ راقم نے پچھلی ایک فصل میں ابراہیمؑ کے پیدائشی وطن کلدانی اُر کے اندر ایک اینٹوں سے بنے ہوئے ایک سہ منزلہ بلند و بالا معبد زگارُوت کا ذکر کیا تھا۔ اور اس ضمن میں میں نے یہ بھی کہا تھا کہ معبد کی پوجا کرنے والے کسی پہاڑی ملک سے آئے تھے۔ جہاں ان کا ایسا ہی معبد پہاڑ پر واقع تھا۔ انہوں نے اس کا ہم شکل اینٹوں سے بنایا۔ کیا یہی چوتھا پوٹالہ تھا جس کے متعلق بدھ مت والے کہتے ہیں کہ وہ مغربی سمندر پر تھا۔

پہلا ساکیا خاندان کے وطن پٹالہ کا پوٹالہ، دوسرا کلدانی اُر کا پٹالہ، تیسرا دریائے زرد کے دہانے پر بحیرہ چین کا پوٹالہ اور چوتھا موجودہ تبت کا لاسہ کا پوٹالہ۔

قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ چین کے دریائے زرد کی قدیم ترین تہذیب کا ذکر پہلی بار ضمناً آگیا ہے۔ آپ دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالیں تو چار دریاؤں کی وادیوں کی تہذیبیں ہماری آنکھوں کے سامنے آتی ہیں

Scanned by CamScanner

ایک چین کے دریائے زرد کی ۔ دوسری دریائے سندھ کے پٹالے کی ۔ تیسری دجلہ اور فرات کے عراق کی ۔ چوتھی دریائے نیل کی ۔ کیا فراعنہ مصر کے بلند و بالا اہرام مصران چاروں تہذیبوں کے اندر ایک تخیل کی یگانگت کا اظہار نہیں جو آج بھی کلیساؤں کے اور مساجد کے بلند و بالا میناروں کی شکل میں پایا جاتا ہے۔

آیئے اصحاب الرس اور بدھ مذہب کے اعتقادات میں یگانگت بیان کی جائے جیسا کہ اوپر کی ایک فصل میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ اصحاب الرس صنوبر کے درخت کی جسے انگریزی میں جونیپر کہتے ہیں ۔ پرستش کرتے تھے ۔ درخت کی صورت میں یہ صرف زیارت کے پہاڑوں پر ہوتا ہے۔ دنیا میں کسی اور جگہ یہ درخت کی صورت میں نہیں ہوتا بلکہ جھاڑی کی صورت میں ہے ۔ میدانوں میں اسی جھاڑی کو ماجو کہتے ہیں ۔ کوہ ہمالیہ پر بھی یہ جھاڑی کی صورت میں ہوتا ہے ~~میدانوں میں اسی جھاڑی کو ماجو کہتے ہیں ۔ کوہ ہمالیہ پر بھی یہ جھاڑی کی صورت میں ہوتا ہے~~ ۔ اور بدھ مت کے لاماؤں کو مرنے کے بعد اسی جونیپر جھاڑیوں کی لکڑی سے جلاتے ہیں ۔ اس کا ذکر بھی ہیڈن نے اپنے مضمون "تبت" کے حاشیہ میں کیا ہے

۵۷۔ سکندر اعظم کا پوٹالہ سے واپس براستہ لاس بیلہ اور مکران، ایران جاتا

ایرین کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ پوٹالہ سے خشکی کے راستے سکندر اعظم موجودہ سیہوان اور موجودہ حیدرآباد کے درمیان سے گزر کر موجودہ ٹکیر کے اوپر دریائے حب کو عبور کیا۔ جسکو آرابیس کا نام دیا گیا ہے اور اس علاقہ کے لوگوں کو آرامیا کا نام دیا گیا ہے۔ غالباً یہ وہی علاقہ ہے جو دریائے حب کے دونوں کنارے زمانہ حال میں ضلع لاس بیلہ کی دریجی تحصیل ہے۔ جس میں جھٹہ بلوچ آباد ہیں۔ آرابیٹا کا لفظ عرب سے مشتق ہے اور یہ غالباً اس روائیت کی صدائے بازگشت ہے۔ کہ سندھ کا کوہ کیرتھر عمان اور مسقط کے پہاڑوں کا حصہ ہے جو خلیج عدن کے درمیان میں آجانے سے جزیرہ نمائے عرب سے ہزاروں سال کے لئے جدا ہو گیا۔ پٹالمے نے اپنے نقشہ ۱۵۰ء میں کوہ کیرتھر کو کوہ آربیٹا کہا ہے۔ یہ چیز قابل غور ہے کہ عدن حضر موت اور عمان کے ساحلی باشندوں کا طرزِ لباس اور سر پر پگڑی۔ سندھ کے لباس کی طرح ہے نسلی عادات اور خصائل چاہے ایک ہی نسل کے دو حصے سمندر کے آر پار کسی غرض یا حادثہ کی وجہ سے کیوں نہ ہو جائیں۔ جڑواں بچوں کی عادات و خصائل کی طرح ہزارہا سال تک لینڈ اور نلینڈ کی ہم آہنگی رہتی ہے۔ یاد رہے کہ کوہ کیرتھر کے شرق میں دادو اور لاڑکانہ کے اضلاع میں بھی جتوئی اور دوسری بلوچ قومیں آباد ہیں۔ کیا بلوچ عرب نسل ہیں؟

دریائے حب کو عبور کر کے سکندر اعظم لاس بیلہ کے میدان سے گزرا جو دریائے پورالی کا میدان کہا جا سکتا ہے۔ جو غالباً سکندر اعظم کے وقت

سے لے کر اب تک جنوب کی طرف بڑھ آیا ہے۔ جیسے کہ سندھ کا میدان ۔ سمندر کی طرف ان ڈھائی ہزار سال میں اور بڑھ گیا ہے۔ ایرین کی طرزِ تحریر معلوم ہوتا ہے کہ لاس بیلہ کے میدان میں اس وقت اوریٹا قوم آباد تھی ۔ پیچ نامہ نے لس بیلہ کی جگہ اورمن بیلہ اور ارمابیل کے لفظ استعمال کئے ہیں۔ یہ غالباً اسی اوریٹا کے قدیم نام سے منسوب ہیں۔ موجودہ لاس بیلہ اور مکران کی حد کے قریب دریائے ہنگول کے دہانے پر غرب میں سمندر سے ذرا دور ایک مقدس مقام ہنگلاج کھنڈر کی صورت میں پڑا ہے یا تو دریائے ہنگول کا نام اس سے مشتق ہے یا اسی مقام کا نام دریائے ہنگول کے نام سے مشتق ہے۔

ایرین نے جس چھوٹے دریا کا ذکر کیا ہے۔ جہاں سکندرِ اعظم نے جنرل ہفیسٹین کی آمد کی انتظار کی میرے خیال میں وہ یہی دریائے ہنگول ہے جب جنرل ہفیسٹین اسے آکر ملا تو جس بستی کی طرف وہ آگے بڑھا وہ یہی ہنگلاج تھا۔ جسکو ایرین نے رام باسیا کا نام دیا ہے۔ اور جس کو سکندرِ اعظم نے خوبصورت شہر بنانے کا حکم دیا۔ اس کی ترکیب لفظی بھی اس کے مقدس ہونے کا ثبوت ہے ۔ رام کے معنی خدا کے ہیں بعض مورخین نے موجودہ لاس بیلہ کو رمباسیہ سمجھا ہے ۔ یہ ساحل سمندر سے موجودہ کراچی کے سامنے ۔۔ اسیل اندر ہے جہاں سکندرِ اعظم کے جانے کا کوئی پروگرام ہی نہ تھا۔ اس نے تو ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ جانا تھا۔ اور امیر البحر نیرچیس کے بیڑے کے لئے کنوئیں کھدوانا تھا

۔ ایرین (صفحہ ۲۱۳) ایک اور امر میری اس دلیل کا بیّن ثبوت ہے کہ
ارمباسیا (ہنگلاج) سے سکندرِ اعظم لاس بیلہ (اوریٹیا) اور مکران،
(گڈروسیا) کی حد تک کی طرف بڑھا تو اسے معلوم ہوا کہ حد پر پہاڑی
درہ میں ان دونوں علاقوں کی فوجیں اس کے مقابلے کے لئے تیار ہیں
لیکن جب وہ قریب پہنچا تو وہ ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کے
سرداروں نے اطاعت قبول کی۔ اس نے حکم دیا کہ اپنے تمام بھاگے ہوئے
آدمیوں کو اکٹھا کر کے واپس اپنے بستی اور شہروں میں لے جائیں۔ اور
ان سے ان کو جان بخشی کی یقین دہانی کی۔ آگے چل کر ایرین کہتا ہے
کہ سکندرِ اعظم نے اپالونیٹس کو اس علاقے کا گورنر مقرر کیا اور اس
کے ماتحت ایک فوجی افسر لیونیٹس کو مقرر کیا جس کے سپرد اس نے
اپنی افواج کا ایک حصّہ کر دیا۔ جس میں یونان کی فوج بھی شامل تھی
حکم دیا کہ وہ اس علاقے کی نگرانی کرے اور امن عامہ قائم کرے اور نئے شہر کی تعمیر کی
نگرانی بھی کرے اور جب امیر البحر نیرچیس پہنچے تو اسکی امداد کرے۔ موجودہ ہنگلاج کے غرب کی طرف
موجودہ ضلع لاس بیلہ آخری غربی کونہ میں ایک شہر اور بندرگاہ کا نام آج بھی عمارہ
ہے اور اس کے گرد و نواح کے لوگ اپنے آپ کو عُرمر قوم بتلاتے ہیں
عُرمر یونانی زبان کی ترکیب ہے۔ عُر (او۔ آر) یونانی میں علاقے کو
کہتے ہیں یعنی ڈسٹرکٹ۔ مار (ایم۔ اے۔ آر) جنگ کو کہتے ہیں۔ یعنی
جنگی علاقہ جس سے مراد فوجی چھاؤنی ہے اور عُرمر کے معنی ہوتے

چھاؤنی والا۔ یہ وہی مقام ہے جہاں سکندر اعظم نے پیوسینٹس کے تحت
فوجیں چھوڑی تھیں۔ ملاحظہ ہو میری تصنیف "سکندر اعظم اور پٹھان
عزمر اور اعوان" فصل دوم صفحہ ۴۳ تا ۵۵ جس میں میں نے ثابت کیا ہے
کہ جن مقامات پر افغانستان میں موجودہ گردیز کے قریب سکندر اعظم نے
دو شہر موسوم بہ الیگزینڈریہ آباد کئے تھے۔ وہاں بھی عزمر قوم آج تک
آباد ہے۔ ضمناً عرض ہے کہ میں نے وہاں یہ بھی عرض کیا ہے کہ سکندر اعظم
کرم کے راستے پارا چنار کے قریب تھل کے قریب مہرالی کے قریب اور
رزمک کے قریب سے گزر کر جنوبی وزیرستان سے ہوتا ہوا دریائے
گومل پار کر کے تخت سلیمان کے نزدیک پہنچا اور اس کو دیکھنے کے لئے اس
کے اوپر گیا۔ اسی تخت سلیمان کو ایرین نے اورنوس کی چٹان کہا ہے یعنی
پہاڑی علاقہ کی چٹان (باقی تفصیل ملاحظہ ہو میری متذکرہ بالا تصنیف میں
جب یہ تمام انتظامات ختم ہو گئے اور جنرل ہیفیسٹین، رمباسیا (ہنگلاج)
میں نئی تعمیرات کا کام ختم کر کے سکندر اعظم سے آملا تو وہ اپنی باقی کثیر افواج
کے ساتھ گدروسیا (مکران) کی طرف چل کھڑا ہوا۔ سارا علاقہ غیر آباد اور ویران تھا
اس کو پانی اور خوراک کے حصول کیلئے تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ وجہ یہ تھی کہ اسے اپنے
بحری بیڑے کی رسد اور پانی کے لئے انتظام کرنا ضروری تھا۔ ایران کا کوروش اعظم اور اسکی
افواج بھی یہاں تلف ہوئی تھیں جب وہ غرب سے شرق ہندوستان پر حملہ کرنے آیا تھا بالآخر
سکندر اعظم گدروسیا کے دارالخلافہ پورا پہنچ گیا۔ یہ نام ظاہر کرتا ہے کہ وہ شہر دریا کے
کنارے تھا۔ پورا عربی لفظ فرع سے مشتق ہے کے معنی گھاؤ کے ہیں۔ جو...

Scanned by CamScanner

دریا کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ غالباً یہ شہر دریائے دشت کے کنارے تھا جہاں اب سنگ گندور کے کھنڈرات پڑے ہیں جس کے سامنے سینکڑوں میل وسیع اور عریض میدان پڑا ہے۔ جسے سنگھار کہتے ہیں۔ جس میں آج بھی خود رو کپاس کے پودے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اگر وادئ سندھ کی تہذیب کا ہم عصر شہر بابل سکندر اعظم کے وقت میں موجود تھا تو وادئ سندھ کی تہذیب کا آخری غربی ترین شہر کیوں نہ موجود ہوگا ایک اور دلچسپ واقعہ مؤرخ ایرین نے اس شہر کے تذکرہ میں اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۱۹ پر کیا ہے کہ اس جگہ اسے خبر ملی کہ دریائے سندھ اور جہلم چناب کے درمیانی علاقہ یعنی اس زمانہ کے سندھ ساگر دو آب جس میں ملتان بھی شامل ہے کے گورنر فلپ کے برخلاف یونانی بھاڑے کے فوجیوں نے بغاوت کر کے اسکو مار ڈالا تھا اور اس کے مقدونی محافظوں نے تمام باغیوں کو مار دیا تھا۔ سکندر اعظم نے یوڈیمس اور ٹیکسلا کو احکامات بھجوائے کہ وہ فلپ کے علاقے کو کنٹرول کریں جب تک نیا گورنر وہاں نہ پہنچے۔ جب گڈروسیا کی حد پار کر کے سکندر اعظم کرمان (کارمنیا) پہنچا تو سلطنت میوسی کینس کے دارالخلافہ پتن منارا، (رحیم یار خان) سے جنرل کریٹرس کے ساتھ بھجوائی گئی افواج اور ہاتھی وہاں آ پہنچے اس تھوڑی سی تفصیل نے وادئ سندھ شہر ٹیکسلا، اور پتن منارہ (رحیم یار خان) سے مکران کے دارالخلافہ اور کرمان تک ڈانڈے ملا دیئے ہیں۔ اور یہی چچ نامہ کے مطابق سندھ کے ساہیرس کی حکومت کے حدود تھے۔ جیسا کہ پہلے بھی اس باب میں ذکر آ چکا ہے۔

تمت بالخیر

Scanned by CamScanner

حرفِ آخر

میرا اندازہ ہے کہ جب قارئین کی نظر سرورق کے اس جملہ پر پڑی ہوگی "سرائیکی زبان، وطن، اور تمدن کا تذکرہ" تو ان کو گمان ہوا ہوگا کہ ان کو ایک لسانی جنون نامہ سے واسطہ پڑا ہے۔ جب وہ انتساب کے ان الفاظ پر پہنچے ہونگے کہ وادئ سندھ میں "حاکمیت کی وراثت" سندھ ساگر دوآب اور طرف الغرب السندھ کی فضاؤں میں پلے ہوئے باشندوں کا حق تھا۔ تو ان کا شبہ مضبوط تر ہوا ہوگا کہ اس تذکرہ میں نسلی تعصّب کی آمیزش بھی ہے۔ جب پیش لفظ ان کے سامنے آیا ہوگا۔ تو ان کے گمان نے اور بھی تقویت پائی ہوگی کہ یہ تو ملتان اور اوچ کے قدیم ترین تمدّنی مراکز کے پس ماندہ غیر معروف سرائیکی زبان بولنے والوں کی ایک طفلانہ کوشش ہے کہ وہ اس غیر سرکاری غیر معروف زبان کو وادئ سندھ کی تہذیب کی اصل زبان ہونے کا درجہ دلائیں۔ تذکرہ کے ابتدائی پانچ ابواب میں مصنف کی تحقیقی کاوش کے خلوص پر مسکرا بھی دیتے ہوں گے۔ مگر جب باب ششم کو پورا پڑھ چکے ہوں گے۔ تو مجھے یقین ہے۔ ان کے دل میں یہ شعور پیدا ہوا ہوگا کہ تاریخ تو واقعی یہ بتلا رہی ہے کہ قدرت نے ایک بار پھر

وادیٔ سندھ کی عظمتِ گذشتہ کی تجدید کے لئے مغربی پاکستان کو دی سیاسی
حدود عطا کردی ہیں کہ جن کے اندر رہنے والوں کی یونانی ہیروڈوٹس اور یونانی ایرین
نے بالترتیب ایران کے دارا اول کی حکومت کا سنہرا بیسواں صوبہ اور سکندرِ اعظم
کی تسخیر کردہ مملکت بیان کیا تھا۔ محمد بن قاسم عربی کے وقت تو چچ نامہ کا بتلایا ہوا
کشمیر بھی اپنی حدود میں محدود تھا۔ جس کو ہم آج مقبوضہ کشمیر کہتے ہیں راجوڑی
تک کا علاقہ پیر پنجال کے غرب ہیں رائے ساہیرس کے غاصب جانشین چچ
کی سلطنت میں شامل تھا۔ اور طرفہ تو یہ ہے کہ یک گونہ ایک دوسری مماثلت
بھی تھی کہ کشمیر کا راجہ رائے ساہیرس کا رشتہ دار تھا (دیکھیے چچ نامہ سندھی ادبی
بورڈ حیدرآباد صفحہ ۵۶ اور صفحہ ۲۸۳) یعنی مغربی پاکستان اور کشمیر کی حکومتیں
ایک ہی خاندان میں یکجا ہوکر متحد تھیں۔ اس روحانی ولولہ انگیزی کے بعد جب
قارئین باب ہفتم پر پہنچے ہوں گے تو "طلمان سے لاڑکانہ تک" کے الفاظ نے
پھر بدگمانی میں مبتلا کردیا ہوگا کہ یہ تو موجودہ سیاسی صورتِ حال کے تاریخی جواز کی
ایک کوشش بھی ہے لیکن اس پورے باب پر عبور کے بعد اُن کے دلوں میں
روحانی ولولہ نے از سرِ نو جنم لیا ہوگا کہ واقعی ہم مغربی پاکستان کی صورت میں
ہزاروں سال پرانی متحدہ عظیم مملکت کے وارث بنے ہیں۔ جس کی قصور، لاہور
اور اسلام آباد سے لے کر کوہ سلیمان کے اندر درہ بولان تک اور کوہ کیرتھر کے آر پار لس بیلہ
کے اندر مکران کی حد تک ایک ہی زبان بولی جاتی تھی جس کو اب سرائیکی کہا جاتا ہے۔ اس عظیم مملکت کی دور افتادہ
شرقی شمال مغربی اور جنوب مغربی حدود پر ہمسایہ مملکتوں کی زبانوں کا بلا واسطہ اور اس اقبال مند اور زرخیز
مملکت میں ہمسایہ ملکوں سے مختلف زبانیں بولنے والے مہاجروں اور

Scanned by CamScanner

آباد کاروں کا ثقافتی اثر بالواسطہ نمایاں تھا۔ جو آج بھی ہے۔ قارئین کرام دراصل
اس ناچیز تصنیف میں مغربی پاکستان کے باشندوں کو ان کی وراثت میں ملی اس
عظیم اور قدیم مملکت کی اقتصادی سیاسی نسلی وحدت کا پیغام دیا گیا ہے۔
اس خطے کی تمام زبانوں کا لغوی تانا بانا قدیم ترین سرائیکی ہے جو اردو کی بھی ماں
ہے اور اس خطے کی اقتصادی خوشحالی کا ضامن اس کا دنیا کے عظیم ترین
خاص سندھ کا عظیم ترین نظام آبپاشی ہے۔ میں نے تذکرہ میں ایک
جگہ عرض کیا ہے۔ کہ قدرت ہر عظیم دریا کی پوری وادی کی از مخارج آب تا کنارِ
سمندر با اختلاف موسم و با اختلاف فراز و نشیب پیداوار میں ایک پوری
خود کفیل اقتصادی وحدت بنا دیتی ہے۔ وادی سندھ کے کوہستانی علاقہ
کے ضلع لورالائی، ضلع ژوب، ضلع سبی، ضلع کچھی، ضلع قلات، ضلع لاس بیلہ
ضلع مکران، ضلع خاران، ضلع چاغی، ضلع کوئٹہ پشین، ضلع جنوبی وزیرستان
ضلع شمالی وزیرستان، ضلع کرم، ضلع خیبر، ضلع مہمند، ضلع چترال، ضلع دیر
ضلع سوات، ضلع ملاکنڈ، ضلع ہزارہ، ضلع گلگت اور ضلع بلتستان جن کو قدرت
نے خاص نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان کے ضرورت مند میدانی وادی سندھ
دو صوبوں پنجاب اور سندھ میں بستے ہیں۔ اور ان دو صوبوں کو قدرت
نے جن نعمتوں سے نوازا ہے اس کے خریدار وادی سندھ کے کوہستانی
علاقہ میں بستے ہیں۔ ان دونوں کے اتحاد میں باہمی خود کفالت کی ضمانت
ہے۔ مغربی پاکستان کی کوہستانی حدود کے پار آپ نظر دوڑائیں
آپ کو ہمسایہ ملکوں کے ایسے علاقے نظر آئیں گے جو خود کفیل نہ ہونے

Scanned by CamScanner

کے باعث دوسروں کے محتاج ہیں۔ قادرِ مطلق پروردگار کی اس تخلیق میں بھی ہمارے موزوں پاکستان کے اتحاد کا اشارہ ہے۔

وما علینا الا البلاغ

سید نور علی ضامن حسینی

محلہ لقمان شاہ
احمد پور شرقیہ
۲۰ ستمبر ۱۹۷۳ء

Scanned by CamScanner

مصنف

سید نورِ علی ضامن حسینی

Scanned by CamScanner